تذکرہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا

از

ڈاکٹر نثار احمد فاروقی

تذکرۂ

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ

(خانقاہ مبارک کی ایک جھلک)

نثار احمد فاروقی

ریڈر شعبۂ عربی - دہلی یونیورسٹی

خواجہ حسن نظامی میموریل سوسائٹی بستی حضرت نظام الدینؒ

نئی دہلی ۱۳

۱۹۷۸ء

جملہ حقوق محفوظ
© نثار احمد فاروقی - ۱۹۷۸ء

طبعِ اوّل : ۱۹۷۸ء
تعداد : دو ہزار
طباعت : جمال پریس، جامع مسجد، دہلی ۶
ناشر : خواجہ حسن نظامی میموریل سوسائٹی
نئی دہلی ۱۳

قیمت : ۶/-

فہرس

پیش لفظ : الحاج حکیم عبدالحمید صاحب دہلوی ۷

مقدمہ : حضرت خواجہ حسن ثانی نظامی ۹

سرسخن : ڈاکٹر نثار احمد فاروقی ۱۳

۱- حلیہ مبارک اور لباس ۱۷

۲- خانقاہ کا نقشہ اور نظام ۲۳

۳- آپ کے معمولات ۴۶

۴- آخری زمانہ اور وفات ۷۷

۵- حضرت اپنے معاشرے میں ۹۰

اِنتساب

حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی کے چہیتے خلیفہ

خواجہ حسن نظامی میموریل سوسائٹی کے بانی صدر

بین الاقوامی شہرت کے مہندس، بیت اللہ شریف اور مسجدِ نبوی کی تعمیرِ جدید
کے
مُشیر معمار

جناب فیّاض الدّین

بہزادِ دکن نظامی مرحوم

کے نام

جو نہ صرف درویشوں کے پرستار بلکہ خود ایک کامل
مردِ درویش تھے

پیش لفظ

ڈاکٹر نثار احمد صاحب فاروقی بہت سی خصوصیات اپنے اندر رکھتے ہیں۔ وہ ادیب بھی ہیں اور محقق بھی۔ تصوّف پر علمی نظر کے ساتھ عملی ذوق بھی رکھتے ہیں۔ اِس سے اُن کا نسبی رشتہ بھی ہے۔ اُس کے لٹریچر پر اُن کی گہری نظر ہے۔ اِس لٹریچر پر اُن کے محققانہ مضامین دلچسپی سے پڑھے جاتے ہیں۔ بزرگانِ تصوّف کے سوانح حیات اچھے علمی اور تحقیقی معیار کے ساتھ مرتّب فرماتے ہیں اور اُن میں ادب اور عقیدت کا بھی پورا لحاظ ہوتا ہے۔ اسی قسم کا اُن کا ایک مضمون حضرت **نظام الدین** اولیاءؒ کے سوانح حیات پر، عرس کے موقع پر، سامعین نے ایک گھنٹے تک ایسی حالت میں سُنا جیسے وہ سات سو سال پہلے کی دہلی میں ہیں اور حضرت سے متعلقہ تمام حالات

اور مواقع کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

مجھے بڑی خوشی ہے کہ یہ قابلِ قدر مضمون مناسب اضافوں اور ترمیم کے بعد خواجہ حسن نظامی میموریل سوسائٹی کی طرف سے شائع کیا جا رہا ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ کتابچہ ادبی، علمی اور تصوّف کے حلقوں میں دلچسپی سے پڑھا جائے گا اور اس سے تصوّف کے صحیح ذوق کی اشاعت میں بھی مدد ملے گی۔

(حکیم) عبدالحمید (دہلوی)
صدر، خواجہ حسن نظامی میموریل سوسائٹی، نئی دہلی

ہمدرد منزل، دہلی ۶
۳ر اکتوبر ۱۹۷۸ء

مقدّمہ

زیرِ نظر مقالہ، صرف مقالہ نہیں ہے، ایک مراقبہ ہے۔ جس کے ذریعے درِ دولت کے وابستگان اپنے آقا و مولیٰ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ کا دیدار کر سکتے ہیں اور جب چاہیں حضرت کی خانقاہِ مبارک میں حاضری دے سکتے ہیں۔

برادرم ڈاکٹر نثار احمد فاروقی (ریڈر شعبۂ عربی دہلی یونی ورسٹی) خانوادۂ فریدی کے چشم و چراغ ہیں۔ ہمارے حضرت کے پیرزادے ہیں۔ ان کا نام علم و ادب کی دنیا میں محتاج تعارف نہیں۔ تحقیق اور تنقید ان کی تحریروں کے خاص موضوع رہے ہیں لیکن یہ مقالہ جو انھوں نے حضرت محبوب الٰہیؒ کے عرس مبارک پر پڑھا تھا، تحقیق اور تنقید سے آگے کی چیز ہے، اور کیا چیز ہے؟ اس کا اندازہ پڑھنے کے بعد ہی آپ لگا سکیں گے۔ الفاظ میں اس کو بیان کرنا شاید ممکن نہ ہو۔ کتابی حوالوں کے ادھورے پن کو ان کے تصوّر نے جس طرح مکمل کیا ہے،

سات سو سال پرانی تصویر میں انھوں نے جس طرح نئے رنگ بھرے ہیں، اور ہم سب کو اپنے حضرت کا جو روپ دکھایا ہے وہ محض کسی عالم اور کسی محقّق کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس کو تو خاص حضرت محبوب الٰہیؒ کی توجہ اور فیضان کا کرشمہ ہی کہا جا سکتا ہے۔ برادر محترم فاروقی صاحب نے اس کرشمے کو اپنی ذات تک محدود نہیں رکھا، عام کر دیا۔ جو خواب انھوں نے دیکھا تھا وہ جاگتے میں ہم سب کو بھی دکھا دیا۔ ہم سب کو بھی اپنے ساتھ خانقاہ شریف میں لے گئے اور اس پیاری، انوکھی، من موہنی شخصیت کے درشن کرا دیئے جو سدا سدا کو اپنا بنا لیتی ہے اور ہر حلقہ بگوش کے لیے دین دنیا کی کامیابی اور کامرانی کی ضمانت بن جاتی ہے۔

چند سال قبل حضرت محبوب الٰہیؒ کے سالانہ عرس سترھویں شریف کے موقع پر مضامین پڑھے جانے کا سلسلہ شروع ہوا تو مجھے توقع نہیں تھی کہ قوالی کے رسیا بزمِ مقالات میں بھی اسی ذوق و شوق سے شریک ہوں گے جس ذوق و شوق سے ان کی شرکت محفلِ سماع میں ہوا کرتی ہے لیکن فاروقی صاحب کے اس مقالے نے جس طرح دلوں کو گرمایا اور آنکھوں کو رلایا، اس نے ثابت کر دیا کہ تحریر بھی موسیقی کی طرح جادو جگا سکتی ہے۔

حضرت خواجہ حسن نظامی میموریل سوسائٹی کے سابق صدر برادر روحانی مولوی محمد فیاض الدین بہزاد دکن نظامی مرحوم کی تمنا تھی کہ اس مقالے کی اشاعت سے سوسائٹی کی کتابی مہم شروع ہو۔ الحمد للہ ایسا ہو رہا ہے۔

اور فاروقی صاحب کے شکریے کے ساتھ یہ یادگار تذکرہ شائع کیا جارہا ہے۔ افسوس بس یہ ہے کہ مرحوم فیاض بھائی اس وقت دنیا میں موجود نہیں ہیں۔ اللہ ان کی مغفرت کرے اور درجات بلند فرمائے۔ انھوں نے فاروقی صاحب سے یہ مقالہ لکھوا کر اپنے پیر و مرشد شمس العلماء حضرت خواجہ حسن نظامیؒ کی اس پیش گوئی کے پورا ہونے کا سامان بھی کر دیا جو انھوں نے ڈاکٹر فاروقی صاحب کے زمانہ طالب علمی میں کی تھی اور ان سے مخاطب ہو کر کہا تھا کہ "مجھے آپ سے بہت سے کام لینے ہیں"۔

ڈاکٹر فاروقی صاحب صرف نسبت فریدی ہی کی وجہ سے حضرت خواجہ صاحبؒ سے تعلق نہیں رکھتے بلکہ ان کے بزرگوں اور حضرت خواجہ صاحب کے درمیان بہت قریبی روابط اور خلوص و محبت کے رشتے قائم تھے۔ ہماری سوسائٹی کی طرف سے اس تذکرے کا شائع ہونا ایک طرح سے ان قدیم تعلقات کی تجدید ہے۔ اللہ تعالےٰ فاروقی صاحب کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ اپنے بزرگوں کی تعلیمات کے فیضان کو اسی طرح عام کرتے رہیں اور اپنے نانا حضرت شاہ سلیمان احمد امروہویؒ (سجّادہ نشین حضرت شاہ عبدالہادیؒ) کے سچّے جانشین ثابت ہوں۔ آمین۔

میں حضرت خواجہ حسن نظامی میموریل سوسائٹی کی طرف سے ڈاکٹر فاروقی صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے از راہ کرم اپنے مقالے کو سوسائٹی کی طرف سے شائع کرنے

کی اجازت مرحمت فرمائی۔

حسن ثانی نظامی
(سکریٹری حضرت خواجہ حسن نظامی میموریل سوسائٹی)

حجرۂ قدیم درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ محبوب الٰہی
نئی دہلی
۴ر ذی الحجہ ۱۳۹۸ھ
۴ر نومبر ۱۹۷۸ء

سرِ سخن

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا ٥

یہ ۱۹۵۳ء کا قصّہ ہے۔ بھوپال سے میرے ایک دوست آئے ہوئے تھے۔ اُنھوں نے میرے ساتھ دہلی کی کچھ تاریخی عمارتوں کی سیر کی، جب ہم درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا، محبوبِ الٰہیؒ میں فاتحہ کے لیے حاضر ہوئے تو انھوں نے کہا۔ آؤ حضرت خواجہ حسن نظامیؒ سے بھی نیاز حاصل کریں۔

میرے دوست نے خواجہ صاحب کا نام لیا تو اس عظیم انسان کی زیارت کا اشتیاق جاگ اُٹھا۔ مگر دل پر اک رعب اور ہیبت سوار تھی۔ میں ایک فقیرِ بے نوا، طفلِ مکتب، گمنام اور بے حیثیت انسان، وہ عالمگیر شہرت کے ادیب، انشا پرداز، عالم اور درویش ــ چہ نسبتِ خاک را با عالمِ پاک۔ جب پہلی بار ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو ڈرتے ڈرتے اپنا تعارف کرایا۔

اور اپنے بزرگوں کے نام لے کر ان سے اپنا رشتہ ظاہر کیا۔ خواجہ صاحب نے جس محبت اور شفقت و رافت کا برتاؤ کیا وہ عمر بھر دل پر نقش رہے گا۔ یہ محسوس ہوتا تھا کہ کسی بناوٹ یا تکلّف کے بغیر وہ اپنے کسی پرانے اور ہم عمر دوست سے باتیں کر رہے ہیں۔ ہم ۲-۳ گھنٹے تک اُن کے سحرِ لنواز سے لُطف اُٹھاتے رہے۔ ہمارے پاس کہنے کو کیا رکھا تھا، بس ــــ وہ کہیں اور سُنا کرے کوئی ــــ خواجہ صاحب کی گل افشانیِ گفتار کی دلآویزی سے مسحور ہو کر ہمہ تن گوش بنے رہے۔

اس کے بعد مجھے چسکا لگ گیا اور کئی بار اتوار کے دن ان کی خدمت میں حاضری دینے کی سعادت نصیب ہوئی۔ آخری ملاقات خواجہ صاحب مرحوم سے ان کے مکان (موتی محل) میں ہوئی۔ اس وقت انھوں نے بہت دیر تک مادّیت اور روحانیت کے موضوع پر گفتگو کی، اور مادّیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب سے اخلاقی اور روحانی اقدار کو جو نقصان پہنچ رہا تھا اور مستقبل میں پہنچنے والا تھا اس پر اپنی تشویش کا اظہار کرتے رہے۔ آخر میں یہ فرمایا کہ روحانی اقدار کی تبلیغ میری زندگی کا مشن رہا ہے اور مجھے اپنے اس مشن میں آپ سے بھی بہت کام لینے تھے مگر اب میں اپنی عمر کی آخری منزل پر ہوں اور صحت برابر گرتی جا رہی ہے" وغیرہ ــــ اس کے بعد کبھی خواجہ صاحب سے ملنا نصیب نہ ہوا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔ میں نے خواجہ صاحب کے ان الفاظ کو نہ اُس وقت اتنی اہمیت دی ہوگی نہ بعد میں کبھی یاد رکھا۔ لیکن اب وہ الفاظ کانوں میں گونجتے رہتے ہیں۔

میں نہ عالمِ دین، نہ صوفی، نہ درویش، — ہاں صوفیا اور درویشوں
کی محبت کا دم ضرور بھرتا ہوں اور اسبابِ ظاہری کی احتیاج کی حد تک فقیر
بھی ہوں، مگر تصوّف سے میری واقفیت یا کتابی علم صفر سے کچھ ہی زیادہ
ہے۔ البتہ میں نے فقر و درویشی، زہد و تصوّف اور شریعت و طریقت کو چلتے
پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے اور سانس لیتے ہوئے اپنے استاد و
پیر و مُرشد اور نانا حضرت شاہ سلیمان احمد چشتیؒ (سجادہ نشین درگاہ حضرت خواجہ
شاہ عبدالہادی چشتی امروہوی علیہ الرحمہ) کے رُوپ میں دیکھا ضرور ہے۔ اِس
زمانے میں "سماعی علم" کے مقابلے میں "بصری علم" کو زیادہ قطعی اور اس لیے اہم
سمجھا جاتا ہے۔ اِس اعتبار سے میں بھی کہہ سکتا ہوں کہ میں نے "تصوّف" کو
"دیکھا" ہے۔

لیکن یہ کبھی میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ مجھے اِس موضوع پر قلم
اُٹھانے کی جرأت اور جسارت ہو سکے گی۔ برادر گرامی حضرت خواجہ حسن ثانی نظامی
نے طرح طرح سے ورغلا کر مجھے اِس ڈھرّے پر لگا دیا اور اس طرح اپنے والدِ
بزرگوار کی پیشین گوئی پوری کر دکھائی۔ اگر پدر نتواند پسر تمام کند۔

نظامی روحانیت کی وہ نسبت جس کا لمعان بعض لمحوں میں دل پر ہوا ہے
میرے لیے سب سے بڑی نعمت اور دولت ہے جو خواجہ صاحب کے وسیلے سے مجھ تک
پہنچتی رہتی ہے۔ چنانچہ ان کی فرمایش پر میں نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ
کے عرس مبارک پر منعقدہ مجلسِ مقالات میں پڑھنے کے لیے زیرِ نظر مقالہ لکھا تب مجھے اس کا
یہ انعام ملا کہ چند روز کے بعد عالم رُؤیا میں کئی گھنٹے تک حضرت سلطان المشائخ نظام الدین
اولیاء محبوب الٰہیؒ کی خانقاہ مبارک میں حاضر رہ کر سب کچھ ایسی تفصیل اور یقین کے ساتھ

دیکھا کہ الفاظ میں اُس کا ذرّہ بھر بیان نہیں ہو سکتا۔ حضرت محبوب الٰہیؒ بالاخانے سے اُتر کر نیچے کمرے میں تشریف لائے اور نہایت شفقت سے فرمایا کہ "میں عصر کی نماز پڑھ کر عموماً اُوپر چلا جاتا ہوں اور پھر مغرب کی نماز کے وقت اُترتا ہوں مگر مجھے جب تمہارے آنے کی اطلاع دی گئی تو تمہاری خاطر سے آگیا ہوں۔"

صبح کو بیدار ہوا تو مجھ پر نشے کی سی کیفیت تھی اور دیر تک بے اختیار روتا رہا۔

میں نے جو کچھ لکھا اُسے محض اللہ کا فضل و انعام سمجھتا ہوں۔ کبھی عالم ظاہر کی طرف دیکھتا ہوں تو یہ سب اپنے استاد اور پیر و مرشد کی کرامت نظر آتی ہے۔ تصوّف کے موضوع پر جو کچھ لکھا ہے اس کی فرمائش یا تقاضا یا تشویق ہمیشہ خواجہ حسن ثانی نظامی صاحب کی طرف سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں اس کا اجر عطا فرمائے اور ان کی محبت اور عنایات کے فیضان کو باقی رکھے، ان کی اور ان کے بزرگ اسلاف کی صالحیّت کے صدقے میں کچھ درد ہمیں بھی روزی کرے۔ آمین۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے اجودھن کے پہلے سفر سے دہلی واپس آکر اپنے پیر و مرشد حضرت بابا فریدِ گنج شکر علیہ الرحمۃ کی خدمت میں خط بھیجا تھا اور اس میں ایک رباعی لکھی تھی۔ دوسری بار حاضر ہوئے تو باباصاحبؒ نے اُس خط کا حوالہ دیکر فرمایا تھا کہ تم نے جو رباعی لکھی تھی وہ مجھے اسی وقت یاد ہو گئی تھی۔ میں اسی رباعی کو یہاں دُہراتا ہوں:

زان روز کہ بندۂ تو دانند مرا — بر مردمکِ دیدہ نشانند مرا
لطفِ عامت عنایتے فرمودست — ورنہ چہ کسم خلق چہ دانند مرا

شعبۂ عربی۔ دہلی یونیورسٹی، دہلی
نثار احمد فاروقی
۴؍ ذی الحجہ ۱۳۹۸ھ (۶؍ نومبر ۱۹۷۸ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۔ حلیۂ مبارک اور لباس :

حضرت بندہ نواز گیسو درازؒ نے جن کے نانا حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ (وفات ۷۲۵ھ) کے مرید تھے ۔۔ ایک موقع پر حضرت کا حلیہ اس طرح بیان فرمایا کہ آپ کا رنگ گورا، قد درازی مائل، بڑی بڑی سُرخ آنکھیں جیسے نشے میں سرشار ہوں، گھنی خوش وضع داڑھی، سر پہ عمامہ بندھا ہوا، جس کی چھور پیچھے کی طرف لٹکی رہتی تھی۔ بڑی اور چوڑی آستینوں کا نیچا کرتا زیب تن فرماتے تھے۔ کہیں باہر تشریف لے جاتے تو "جُبّہ جامگی" پہنتے تھے۔ چہرۂ مبارک سے عظمت اور خوش حالی ظاہر ہوتی تھی۔

لہ۔ جوامع الکلم (قلمی) نسخہ کتب خانہ حضرت خواجہ حسن نظامیؒ۔

حضرت بندہ نواز کی ولادت ۴ رجب ۷۲۰ھ میں اور وفات ۱۶ ذیقعدہ ۸۲۵ھ میں ہوئی۔

چونکہ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے اور غذا بھی بہت کم تھی، اس لیے شکمِ مبارک پیٹھ سے ملا ہوا رہتا تھا۔

لباس میں اپنے شیخ حضرت بابا فریدؒ کی وضع اختیار کرتے تھے۔ ایک دن جمعہ کی نماز کے لیے تیاری فرما رہے تھے، خادم نے لباس پیش کیا۔ آپ نے پہن لیا تو اس نے کلاہ اور دستار پیش کی۔ آپ نے کلاہ پہننے کے لیے اٹھائی تو دیکھا کہ اس میں شیرازہ (ڈورے) نہیں ہے، آپ نے اسے واپس کردیا اور فرمایا کہ "ہمارے شیخ نے بھی کبھی بغیر شیرازے کی کلاہ نہیں پہنی ہے اس لیے میں بھی نہیں پہنتا"[1]

آپ اپنے شیخ کی طرح فیل گوشی وضع کی دستار باندھتے تھے جس میں کور پر کور چڑھ کر ہاتھی کے کان کی سی ہیئت بن جاتی ہے۔ اس میں سات تہیں ہوتی تھیں۔ دستار میں آپ کا ایک کان ڈھکا رہتا تھا، دوسرا کھلا رہتا تھا۔ حضرت کے خلیفہ برہان الدین غریبؒ بھی اسی انداز سے پگڑی باندھتے تھے[2]

لباس میں اتباعِ شیخ کا اتنا اہتمام تھا کہ ایک بار کسی نے لکھنوتی

---

[1] مجالسِ حسنہ : ۹

[2] احسن الاقوال، نیز مجالسِ حسنہ : ۱۰

لیکن لطائفِ اشرفی : ۳۳۷ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سہروردیوں کی وضع تھی۔ چشتی بزرگ اپنے دونوں کان ڈھک لیتے تھے تا نہ حق شنوند نہ باطل۔

(بنگال) سے جھمرتلی کا تھان آپ کو بطورِ ہدیہ بھیجا۔ خادم نے دریافت کیا کہ اسے تراش کر آپ کے لیے کرتا بنا لیا جائے؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے شیخ کو کبھی جھمرتلی کا کپڑا پہنے نہیں دیکھا تو میں کیوں پہنوں؟ اس وقت مجلس میں بابا صاحبؒ کے کوئی مرید بھی موجود تھے، انھوں نے کہا کہ "شیخ نے جھمرتلی کا لباس پہنا ہے"۔ حضرت نظام الدینؒ نے فرمایا کہ اگر انھوں نے پہنا ہے تو یہ (گواہ) ذمّہ دار ہیں، میرے لیے بھی بنا دو[1]۔

ابتدائے حال میں جب آپ شہر دہلی میں رہتے تھے اور غیاث پور کو منتقل نہیں ہوئے تھے، شام کو سیر کرنے کے لیے حوض خاص کے پاس باغ جسرتھ میں تشریف لے جایا کرتے تھے[2]۔ یہ اس زمانے میں بہت بارونق علاقہ تھا، ہر طرف چمن لگا ہوا تھا، صاف ستھری خوبصورت روشیں، گھنے سایہ دار درخت، آنکھوں میں ٹھنڈک پیدا کرنے والا دور تک سبزے کا فرش۔ درمیان میں بہت لمبا چوڑا پختہ حوض، جس کا پانی بہت صاف شفاف اور شیرینی میں لاجواب تھا۔ اس کے اطراف میں حظیرے بنے ہوئے تھے اور بعض درویشوں نے اپنے تکیے بھی بنا لیے تھے۔ آپ وہاں چہل قدمی کرتے ہوئے قرآن شریف حفظ کیا کرتے تھے۔ کبھی کسی سایہ دار درخت کے نیچے مصلّیٰ بچھا کر نوافل پڑھنے لگتے تھے۔ ایک دن

---

[1] احسن الاقوال (ملفوظات حضرت برہان الدین غریبؒ) (قلمی)

[2] سیر الاولیاء: ۱۱۰

آپ اسی طرح نفل پڑھ رہے تھے۔ چند لوگ آپ کے قریب بیٹھے تھے، انھوں نے آپس میں آہستہ آہستہ باتیں شروع کر دیں۔ ایک شخص کہنے لگا کہ "یہ صاحب جو نماز پڑھ رہے ہیں کوئی درویش معلوم ہوتے ہیں"۔ دوسرے نے کہا "غالباً حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے سلسلے میں بیعت ہیں"۔ پہلے نے پوچھا کہ "یہ تمھیں کیسے اندازہ ہوا؟" تو اس نے کہا کہ "ان کی دستار باندھنے کی وضع سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے"[1]۔

حضرتؒ یہ گفتگو سُن رہے تھے۔ سلام پھیرتے ہی آپ نے اپنی دستار اُتاری اور اُسے دوبارہ فیل گوشی وضع پر باندھا اور دل میں سوچا کہ مجھے ایسا لباس اختیار نہیں کرنا چاہیئے کہ دیکھنے والے مجھے کسی دوسرے سلسلے کا وابستہ سمجھنے لگیں۔

جیسا کہ ابھی بیان ہوا حضرت کی آنکھیں بڑی بڑی تھیں اور ان میں شب بیداری اور کثرت ذکر و شغل کی وجہ سے اتنی سُرخی چھائی رہتی تھی کہ اجنبی آدمی دیکھے تو "مستِ طافح" گمان کرے[2]۔ آنکھوں میں ہر وقت آنسو تیرتے رہتے تھے۔ چشمانِ مبارک کی اشک ریزی کا یہ عالم تھا کہ اگر کبھی آپ ہنستے تھے تو اس وقت بھی آنکھوں سے پانی نکلتا رہتا تھا جسے آپ بار بار رومال سے صاف کرتے جاتے تھے[3]۔ بابا صاحبؒ کبھی آپ سے

---

[1] مجالس حسنہ : ۹

[2] سیر الاولیاء: ۱۲۸ احسن القصص : (قلمی) درر نظامی : (قلمی۔ سالار جنگ)

[3] سیر الاولیاء

خوش ہوتے تو یہ دعا دیتے تھے کہ "خدا تمھیں درد دے" اور نصیحت کرتے تھے کہ خدا سے مناجات میں یہ تین چیزیں مانگا کرو: "وقتِ خوش و آبِ دیدہ و راحتِ دل" اور اللہ نے اپنی ان مخصوص نعمتوں کے سارے خزانے آپ کو عطا فرما دیے تھے۔

مراقبے کے لیے آپ زانوے ادب سے قبلہ رُخ ہو کر بیٹھتے۔ کبھی ایک زانو کھڑا کر کے اس سے ماتھا ٹیک کر بھی مراقبہ کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ حضرت بابا فریدؒ اور مولانا بدر الدین اسحٰق بھی اسی طرح مراقبہ کیا کرتے تھے۔

مراقبے مختلف اسماء اور مختلف مقامات کے ہوتے ہیں۔ حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ نے اپنے شیخ کی سند پر اسم "یا علیم یا سمیع یا بصیر" کا مراقبہ اس طرح بتایا ہے[1]:

> "مراقبے کے لیے اس طرح بیٹھے جیسے تشہد کے لیے نماز میں بیٹھتے ہیں۔ شیخ کی صورت کا تصوّر کرے اور چشمِ باطن کو دل کی طرف مرکوز رکھے اور یہ تصور کرے کہ میں حق سبحانہٗ کی ذاتِ اقدس کا مشاہدہ کر رہا ہوں۔ نظر آسمان کی طرف رہے اور ایسا تصوّر کرے گویا روح جسم سے باہر آ گئی ہے اور آسمانوں سے گذر کر حق تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہے۔ جب اس تصوّر میں استقامت پیدا ہو گی تو ایک سبز دھاگا نظر آنے لگے گا

---

[1] کشکول کلیمی: ۲۹-۳۰

جس کا ایک سرا ساتویں آسمان سے بھی اوپر ہوگا اور دوسرا سالک کے دل میں ہوگا۔ یہی اس مراقبے کا حاصل ہے اس کی پہلی منزل کو مراقبہ دوسری کو مشاہدہ اور تیسری کو معاینہ کہتے ہیں۔"

دُررِ نظامی کے مؤلف علی بن محمود جاندار نے حضرت نظام الدین اولیاؒ کے حالات و ملفوظات پر مشتمل ایک کتاب "خلاصۃ اللطائف" عربی زبان میں لکھی تھی جو اب ناپید ہے۔ مؤلف سیر الاولیاء نے اس کا ایک اقتباس لیا ہے[1] اور اسی کو شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے "اخبار الاخیار" میں نقل کیا ہے[2] علی بن محمود کہتے ہیں:

"میں نے اپنے شیخ اور مخدوم سلطان المشائخ نظام الحق والدین قدس اللہ سرہٗ العزیز کو حالت مراقبہ میں دیکھا۔ جب میں نے ایک بار کسی وقت ان کی مجلس میں داخل ہونا چاہا تو دیکھا کہ آپ بہت فراغت کے ساتھ بالکل ساکت بیٹھے ہیں اور بظاہر بدن میں قطعاً جنبش نہیں ہے۔ ان کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ ہم نے اپنے آنے کی خبر دی مگر آپ نے ہمیں نہیں پہچانا۔ پوچھا: تم کون ہو؟ میں نے آپ کو استغراق کے اس عالم میں دیکھ کر اُلٹے پاؤں واپس ہونا چاہا تو آپ نے دونوں ہتھیلیوں

---

[1] سیر الاولیاء:

[2] اخبار الاخیار: ۹۴-۹۵ (طبع ۱۸۶۵ء)

سے اپنی آنکھیں مل کر مجھے دیکھا اور پہچان کر فرمایا : بیٹھو۔ میں بیٹھ گیا تو آپ ہم کلام ہوئے۔ آپ کی آنکھیں اس طرح گردش کر رہی تھیں جیسے نشے میں ہوں۔ فرمایا: "گھر میں کیا کرتے رہتے ہو؟" عرض کیا: "مخدوم نے جو شغل تعلیم فرمایا ہے وہ کرتا رہتا ہوں۔" فرمایا: "اللہ سے مشغولی پیدا کرو۔" پھر فرمایا: "فقیر کے لیے یہ مناسب ہے کہ اپنے دل میں ہر وقت یہ تصوّر رکھے کہ خدا اور رسول کے سامنے بیٹھا ہوں اور اس شغل کی مداومت کرے۔" پھر فرمایا: جاؤ باہر جا کر ساتھیوں میں بیٹھو۔ میں اس وقت مشغول ہوں۔"

حضرت کی مراقبے کی حالت کا ایسا ہی بیان بابا صاحب کے پوتے شیخ عزیز الدین کا بھی ہے جسے مؤلف سیر الاولیا نے نقل کیا ہے[1]

۲۔ حضرت کی خانقاہ

دہلی میں جہاں آج کل ہمایوں کا مقبرہ ہے اس علاقے میں شمال کی طرف غیاث پور کی بستی تھی اور جنوب میں کیلو کھڑی گانو آباد تھا۔ جاگیر داری نظام میں متوسط طبقہ برائے نام ہوتا تھا یا تو امراء ہوتے تھے یا پیشہ ور۔ غیاث پور ابتدا میں چھوٹا سا گانو تھا۔ عام طور سے

---

[1] سیر الاولیا :

غریب کسانوں اور مزدوروں کے گھر چھپر کے تھے مگر معز الدین کیقباد کے زمانے میں ۶۸۶ھ (۱۲۸۷ء) کے لگ بھگ جمنا کے کنارے دور دور تک بادشاہ اور اس کے امیروں کے عالی شان محل بھی تعمیر ہو گئے تھے۔ جمنا اب مشرق کی طرف ہٹ گئی ہے۔ اس وقت یہ اور مغرب میں تھی۔ اور اس جگہ بہتی تھی جہاں سے اب رِنگ روڈ (RING ROAD) گذرتی ہے۔ حضرت نظام الدینؒ ابتدا میں کسی کچے مکان میں آکر رہے تھے۔ بعد کو ضیاء الدین وکیل نامی ایک شخص نے جو حضرت کے مرید تھے عہدِ بلبن کے آخر میں ایک وسیع قطعہ زمین پر ایک مضبوط اور کشادہ عمارت بنوا دی تھی۔ اس کا آنگن بہت بڑا تھا جس میں بڑ اور پاکھر وغیرہ کے درخت بھی تھے۔ جماعت خانے میں صدر دروازے[۱] دو تھے۔ ایک اندر جانے کے لیے دوسرا باہر آنے کے لیے۔ اسی لاٹن میں ایک کمرہ تھا جس کے در شرق رویہ تھے اور کھڑکیاں غرب رویہ۔ اس کمرے کے سامنے ایک چبوترہ تھا اور اس سے نیچے اُتر کر بڑا صحن جسے عبور کر کے جماعت خانے پہنچ سکتے تھے۔ جماعت خانے کی عمارت بہت سے ستونوں پر کھڑی تھی کیونکہ اُس زمانے میں معمار پٹاؤ یا لنٹل کی بڑی چھتیں نہیں بنا سکتے تھے عمارت بڑی ہوتی تو اس کی چھت کو زیادہ ستون بنا کر تھامتے تھے۔ اس جماعت خانے کا طرزِ تعمیر ایسا تھا جیسا حضرت امیر خسروؒ کے مزار

---

[۱] سیر الاولیاء، ۱۳۵

کے سامنے حجرۂ قدیم کی چھت کا انداز ہے یا جس طرح حضرت برہان الدین غریبؒ کے مزار (واقع خلد آباد) کا لنگر خانہ ہے۔

حضرت کی خانقاہ میں ہر ستون کے ساتھ طالبان خدا کے بستر لگے ہوئے تھے۔ ان میں کچھ ایسے تھے جن کی زندگی کا بہترین حصہ اس آستانے کی جاروب کشی میں بسر ہو گیا تھا اور کچھ وہ درویش ہوتے تھے جو دور دراز علاقوں سے اپنی روحانی پیاس بجھانے کے لیے آتے تھے۔ یہ جماعت خانہ کسی مسافر خانے کی طرح درویشوں سے کھچا کھچ بھرا رہتا تھا۔ جگہ کی تنگی کی وجہ سے حضرت نظام الدینؒ نے ایک بار اپنے خلیفۂ خاص حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ تک کو یہ ہدایت کر دی تھی کہ وہ جماعت خانے میں دس دن سے زیادہ قیام نہ کریں[1] حالانکہ وہ اجودھیا (موجودہ فیض آباد) سے چل کر اپنے پیر و مرشد کی زیارت کرنے کو آیا کرتے تھے۔

اسی جماعت خانے کے ایک گوشے میں حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے تھے۔ ایک طرف حضرت برہان الدین غریب تھے۔ دوسرے ستون کے ساتھ حضرت اخی سراج کا مختصر سا سامان رکھا ہوا تھا۔ آنے والے مہمانوں کو جاڑوں میں لحاف اور رضائیاں توشہ خانے سے دی جاتی تھیں لیکن وہ اکثر کم پڑ جاتی تھیں۔

---

[1] خیر المجالس : ۲۵۹

حضرت خواجہ نظام الدینؒ نے بالوں کا ایک کمبل کئی گز لمبا اور کئی گز چوڑا بنوا رکھا تھا جس میں دس بارہ درویش آسانی سے سو سکتے تھے۔ جاڑوں کے موسم میں مہمان زیادہ ہو جاتے تو آپ یہ کمبل بھیج دیتے تھے تاکہ مہمانوں کو سردی میں تکلیف نہ ہو۔

جماعت خانے کے سبھی درویش تہجد کے وقت اُٹھ کر وضو کرتے تھے۔ بعض طہارت کے لیے باہر کھیتوں میں چلے جاتے اور پھر جمنا کے کنارے بیٹھ کر وضو کرتے۔ ایک بار ملتان سے حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے مریدوں کی ایک جماعت آئی ہوئی تھی اور یہ لوگ جماعت خانے میں ٹھہرائے گئے تھے۔ تہجد کے وقت سب اپنے لباچے اُتار کر وضو کرنے چلے گئے۔ واپس آکر اپنے اپنے کپڑے پہنے تو دیکھا کہ ان میں سے ایک مہمان کا لبادچہ کسی بدبخت نے چرا لیا تھا۔ ان میں سے بعض نے شور و غوغا شروع کر دیا۔ حضرت چراغ دہلیؒ جماعت خانے کے ایک گوشے میں مراقبہ کر رہے تھے۔ ان کے کانوں میں شور کی آواز آئی تو خیال ہوا کہ اوپر حجرے میں حضرت شیخ مشغول ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ اس چیخ پکار سے آپ کی مشغولی میں خلل پڑے۔ اپنا لبادچہ اُتارا اور جس درویش کا لباس چوری گیا تھا اس سے آہستہ آہستہ دبی زبان میں بہت معذرت کی اور خوشامد کر کے اُسے اپنا لبادچہ پہنا دیا۔

صبح کو چاشت کی نماز کے بعد حضرت نظام الدینؒ نے چراغ دہلیؒ کو اپنے حجرے میں طلب فرمایا اور رات کو انھوں نے جو ایثار کیا تھا

اس پر بہت داد و تحسین فرمائی اور اُنھیں اپنا خاص لباس مرحمت فرمایا۔[۱]

جماعت خانے اور صفہ ستون کے بیچ میں ایک حجرہ تھا، یہاں حضرت موسم گرما میں قیلولہ کرتے تھے۔ ایک شرق رویہ سہ دری جماعت خانے کے شمال میں تھی جس کی بغل میں ایک چھوٹا سا حجرہ تھا جس میں حضرت کی نشست رہتی تھی اور موسم سرما میں عموماً یہاں قیلولہ فرماتے تھے۔ اسی کمرے میں آپ کا کتب خانہ بھی تھا۔ صحن میں ایک طرف حوض خانہ بنا ہوا تھا۔ نماز اکثر جماعت خانے میں، کبھی باہر چبوترے پر کبھی اوپر کی منزل کے شمالی یا مشرقی صحن میں ہوتی تھی۔ پھر بھی میرا گمان یہ ہے کہ کوئی مسجد بھی خانقاہ سے متصل ضرور رہی ہوگی۔

جماعت خانے سے ملی ہوئی جنوب کی سمت میں ایک اور سہ منزلہ عمارت تھی، یہاں حضرت شب میں آرام فرماتے تھے اور باوجود ضعیفی کے پانچوں وقت کی نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے زینے سے اُتر کر نیچے تشریف لاتے تھے[۲] حالانکہ یہ زینہ خاصا تنگ تھا۔ اس کی سیڑھیاں اونچی اونچی اور ناہموار تھیں اس لیے ضعیف آدمی کے لیے خاصا تکلیف دہ تھا۔

زینے سے چڑھ کر اوپر جائیے تو داہنے ہاتھ کو صحن کے شمال مشرقی

---

[۱] خیر المجالس: ۲۸۳-۲۸۴

[۲] سیر الاولیاء: ۱۲۴

کونے میں جو دریا کی طرف تھا نیچے آنگن کے برگد کی شاخوں نے سایہ کر رکھا تھا۔ یہاں ایک چھوٹی سی دیوار اُٹھا دی گئی تھی جو قدِ آدم نہیں تھی اور سامنے دریا کا نظارہ خوب ہوتا تھا۔ مشرق کی طرف دوسرے گوشے میں ایک کمرہ لکڑی کی دیواریں کھڑی کر کے بنا لیا گیا تھا۔ زینے سے جو شخص اوپر آتا تھا وہ صحن میں قدم رکھتے ہی اپنی بائیں طرف حضرت کو فوراً دیکھ سکتا تھا۔ یہاں جاڑوں میں دھوپ بھی خوب رہتی تھی۔ کبھی حجرے کے سامنے صحن میں حضرت کی نشست ہوتی تھی۔ آپ ہمیشہ قبلہ کی طرف منھ کر کے ایسی مشغولی باطن کے ساتھ بیٹھتے تھے گویا خداوند تعالیٰ کے سامنے حاضر ہیں اور وہ آپ کو دیکھ رہا ہے[1]

اوپر کی طرف زینے کے دو دروازے تھے۔ بایاں حضرت کے حجرے میں لے جاتا تھا اور داہنا بالاخانے کے صحن میں۔ زینے اور حجرۂ خاص کے بیچ میں ایک اور حجرہ تھا، حجرۂ خاص کے دروازے کی دہلیز کچھ چوڑی تھی اور کمرے کا فرش اُس سے قدرے نیچا تھا جس پر آنے کے لیے ایک سیڑھی اُترنا پڑتا تھا۔ اس کمرے میں سامنے مشرق کی طرف ایک پلنگ بچھا ہوا تھا جس پر حضرت شب کو آرام فرماتے تھے اور اسی حجرے کے پانچ در شمال کی طرف کھلتے تھے ان میں سے تیسرے اور چوتھے در کے بیچ میں ایک چھوٹا سا روشن دان تھا جو اتنی بلندی پر تھا کہ جب حضرت

---

[1] سیر الاولیاء : ۱۲۸

اپنے کمرے میں چلتے پھرتے تھے تو نیچے جماعت خانے کے سامنے والے صحن میں کھڑے ہونے والوں کو آپ کی کلاہِ مبارک حرکت کرتی ہوئی نظر آتی تھی اور اسی سے اندازہ ہو جاتا تھا کہ حضرت اس وقت مراقبے میں نہیں ہیں۔

ایک بار امیر حسن دہلوی حاضر ہوئے جیسے ہی وہ سیڑھی سے اُتر کر تعظیم بجا لائے حضرت نے فرمایا: "وہیں سیڑھی پر بیٹھ جاؤ۔" امیر حسن بیٹھ گئے۔ اس وقت ہوا تیز چل رہی تھی اور دروازے کا ایک کواڑ بار بار ہوا کے زور سے بند ہو جاتا تھا۔ امیر حسن نے اس کواڑ کو مضبوطی سے پکڑ لیا کچھ دیر تک اسی طرح ایک ہاتھ سے کواڑ پکڑے بیٹھے رہے۔ اچانک حضرت نے دیکھا تو فرمایا: "کواڑ چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟" امیر حسن نے سر جھکا کر عرض کیا کہ "بندے نے یہ در پکڑ لیا ہے۔" حضرت اس پُرمعنی جملے پر مسکرائے اور فرمایا: "ہاں پکڑ لیا ہے اور مضبوطی سے پکڑا ہے۔" پھر فرمایا کہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کہا کرتے تھے: "ہر دری اور ہر سری مت بنو۔ یک در گیر و محکم گیر۔"

حضرت عموماً سب کے ساتھ فرش پر تشریف فرما ہوتے تھے۔ ایک بار آپ پلنگ پر بیٹھے تھے اور سب حاضرین فرش پر تھے۔ آپ نے معذرت کی اور فرمایا کہ میری ٹانگ میں تکلیف ہے اس لیے فرش پر نہیں بیٹھ سکتا۔

حجرے میں لکھنوتی کے بوریے بچھے ہوئے تھے۔ حضرت کے بائیں ہاتھ کو ایک کونے میں صراحی اور کوزے رکھے ہوتے تھے۔ آنے والوں کو

حضرت کی نشست کے کمرے میں عجیب طرح کی بھینی بھینی مشامِ جاں کو سرشار کرنے والی خوشبو کا احساس ہوتا تھا۔ خانقاہ میں کبھی عود و اگر بھی سلگائے جاتے تھے مگر یہ خوشبو جو حضرت کی مجلس میں محسوس ہوتی تھی، ان مادّی خوشبوؤں سے بالکل الگ ہی کوئی چیز تھی۔ ایک دن حافظ ظہیر الدین کوتوال مُنڈہ حضرت کی خدمت میں بیٹھے تھے، انھیں یہ جاں نواز خوشبو آئی تو انھوں نے اپنے دائیں بائیں دیکھ کر "سوں سوں" کیا۔ یہ سمجھے کہ کہیں عود جل رہا ہے۔ حضرت نے مسکرا کر فرمایا: "مولانا این عود نیست این بوے چیزے دیگر است۔" (مولانا یہ عود کی خوشبو نہیں، کچھ اور ہی چیز ہے)۔ ظہیر الدین کوتوال سے تو صرف اتنا ہی کہا تھا لیکن قاضی محی الدین کاشانی کو بھی حضرت کے کمبل میں ایسی ہی خوشبو کا احساس ہوا تھا تو اُن سے صاف ہی فرمایا تھا کہ: "قاضی این بوے محبت است کہ در ذات محبان باری تعالیٰ تعبیہ کردہ اند۔"[۲] (قاضی صاحب۔ یہ محبت کی خوشبو ہے جو اللہ سے محبت کرنے والوں میں بسا دی جاتی ہے۔)

قاضی محی الدین کاشانی اور مولانا حجۃ الدین شیبانی اکثر ساتھ آتے تھے۔ قاضی صاحب اور ان کے خانوادۂ علم و فضل کا احترام کرتے ہوئے

---

[۱] سیر الاولیاء: ۱۷ اقتباس الانوار: ۱۷۷

[۲] سیر الاولیاء: ۱۸

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ سر قد کھڑے ہو کر ان کا استقبال کرتے تھے اور انہیں اپنے قریب بٹھاتے تھے۔ ایک دن قاضی صاحب آئے تو اُن سے فرمایا: "قاضی صاحب مجھے معاف فرمائیں آج میرے زانو میں درد ہے اس لیے کھڑا نہیں ہو سکتا۔" قاضی صاحب نے ادب سے زمینِ خدمت کو بوسہ دے کر کہا: "حضرت آپ یہ کیا فرماتے ہیں، غلام شرمندہ ہوتا ہے۔"

حضرت کی طبیعت نکتہ رس تھی اور طرزِ کلام میں غضب کی موہنی تھی۔ جب گویا ہوتے تو آواز کے ساتھ دل کھنچا جاتا اور گفتگو میں ایسے نکتے بیان فرماتے تھے کہ بڑے بڑے علماء سُن کر دنگ رہ جاتے تھے اور دل میں سوچتے تھے کہ یہ کتابوں میں لکھی ہوئی باتیں تو نہیں ہیں۔ چنانچہ حضرت کی طبع نکتہ سنج نے یہاں بھی اپنے ذوق اور مشن کے مطابق نتیجہ اخذ کر لیا اور قاضی کاشانیؒ سے فرمایا کہ میرے زانو میں درد ہے نہ کھڑا ہوا جاتا ہے نہ فرش پر بیٹھ سکتا ہوں۔ اس حال کو دیکھ کر خیال کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر عضو کسی کام اور فائدے کے لیے بنایا ہے۔ ٹانگ چلنے اور کھڑے ہونے کے لیے ہے اور اگر نہ چل سکے تو اُسے "بیمار" کہا جائے گا۔ اسی طرح دل کا منشائے تخلیق یہ ہے کہ اس میں اللہ کی محبت رہے۔ اگر اللہ کی محبت ہے تو وہ قلب سلیم (صحت مند دل) کہلائے گا۔ نہیں تو اُسے "بیمار" کہا جائے گا۔ قرآن کا فرمان یہی ہے:

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ إِلَّا مَنْ أَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ

قیامت کے دن نہ مال کام آئے گا، نہ اولاد۔ مگر یہ کہ کوئی اللہ کے پاس قلب سلیم لے کر آئے۔

جس کا قلب "قلب سلیم" نہ ہوگا اُسے قیامت میں کوئی فائدہ نہ دے گا۔

جو لوگ اہلِ تصوف سے عناد رکھتے تھے اور اس مسلک کے سخت مخالف تھے وہ بھی حضرت کی زبانِ دُربار سے کچھ سُنتے تھے تو سپر انداز ہو جاتے تھے اور انھیں یہ احساس ہوتا تھا کہ ہم جس شریعت کو لیے بیٹھے ہیں وہ صرف اس کا پوست ہے۔ مغز اور معانی حضرت ہی کے پاس ہیں!

اگر آرام کا وقت ہوتا اور امیر خسرو جیسے چند مخصوص حضرات حجرے میں ہوتے تو آپ پلنگ پر آرام فرما ہوتے تھے۔ لحاف یا رضائی اس طرح اوڑھ لیتے کہ اس میں صرف چہرۂ مبارک نظر آتا رہتا تھا۔ خواجہ اقبال طاق میں سے تسبیح اُٹھا کر آپ کی انگلیوں میں اٹکا دیتے اور اس کے دانے آہستہ آہستہ گردش کرنے لگتے۔ آپ کبھی آنکھیں کھول کر حاضرین کی طرف دیکھ لیتے تو سب کی نظریں جھک جاتیں[1]۔ آپ کی ہیبت کی وجہ سے کسی کی مجال نہیں تھی کہ آنکھ ملا کر بات کر سکے۔ وہ جو فرزدق نے حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کی شان میں کہا ہے:

---

[1] سیر الاولیاء: ۱۳۰

يُغْضِي حَيَاءً وَّ يُغْضَى مِنْ مَهَابَتِهِ
فَلَا يُكَلَّمُ إِلَّا حِيْنَ يَبْتَسِمُ

(یعنی آپ کی نگاہیں فرطِ حیا سے جھکی رہتی ہیں اور دوسروں کی نگاہیں آپ کی ہیبت سے۔ اور لوگ صرف اسی وقت آپ سے ہم کلام ہونے کی جرأت کرتے ہیں جب چہرۂ مبارک پر تبسم ہوتا ہے)۔

کچھ یہی کیفیت ہمارے حضرت کی بھی تھی۔ ایک بار آپ کے سامنے کسی نے یہ تذکرہ کیا کہ شیخ برہان الدین غریبؒ کو وہ چار کلمات معلوم ہیں جو نمازِ چاشت کے بعد پڑھے جاتے ہیں اور جن کی خاصیت یہ ہے کہ دو کلمات سے دُنیا حاصل ہوتی ہے اور دو سے آخرت۔ حضرت نے مولانا غریب سے پوچھا: یاد ہیں؟۔ عرض کیا: جی ہاں۔ فرمایا: سُناؤ۔ اب انھوں نے ہر چند دماغ پر زور ڈالا یاد نہیں آئے۔ حضرت نے فرمایا: "ٹھیک ہے۔ تمھیں یاد ہیں مگر اس وقت میری ہیبت سے زبان پر نہیں آرہے ہیں"[1]

خانقاہ کا نقشہ ابھی مکمل نہیں ہوا۔ خانقاہ کی مشرقی حد پر صُفّۂ ستون کے متوازی ایک بڑا سا چبوترہ تھا کبھی کبھی آپ وہاں تشریف فرما ہوتے تھے۔ اس کی دیوار میں کچھ کھڑکیاں تھیں جو دریائے جمنا کی طرف کھلتی تھیں۔ موسم گرما میں ان سے ہوا کے خنک جھونکے دامنِ دریا کو چھوتے

---

[1] شمائل الاتقیاء (قلمی) ورق ۵۵ ب نسخہ سالار جنگ و نفائس الانفاس (قلمی) نسخہ ندوہ

ہوئے آتے تھے۔ اس چبوترے کے پاس شمال کی طرف ایک ایسا ہی سہ دری کمرہ بنا ہوا تھا جیسا غرب کی جانب صدر دروازے کے پاس تھا۔ اس کے محاذ میں اور جماعت خانے کے عین مشرق میں ایک اور چبوترہ تھا جو سنگھاسن کی شکل میں بنایا گیا تھا۔ اس کی چھت سرخ پتھر کے خوبصورت ستونوں پر قائم تھی اور یہ جمنا کی طرف کو نکلا ہوا تھا۔ یہاں بیٹھ کر جمنا کی سیر خوب ہوتی تھی۔ سیر الاولیاء میں اسی کو "صفہ ستون" کہا گیا ہے کیونکہ یہ ایسا چبوترہ تھا جس پر ستون بھی بنے ہوئے تھے۔ اس کے اور جماعت خانے کے درمیان میں وہ حجرہ تھا جہاں حضرت گرمی کے موسم میں دوپہر کو آرام فرماتے تھے۔ موسم گرما کی راتوں میں حضرت کا پلنگ جماعت خانے کی چھت پر بچھایا جاتا تھا اور شبنم سے بچانے کے لیے اس پر نم گیر تان دیا جاتا تھا۔[1]

جماعت خانے کے جنوب میں کچھ اور حجرے بھی تھے جو گوداموں کا کام دیتے تھے۔ ایک حجرے میں شیخ شہاب الدین امام رہتے تھے۔ دوسرے میں کھجوروں کا انبار لگا ہوا تھا۔ کسی میں غلے کی بوریاں رکھی تھیں۔ اسی طرح دوسری خوردنی اشیاء کا ذخیرہ رہتا تھا۔ ہر ماہ ضروری اشیاء بھاری مقدار میں خریدی جاتی تھیں اور اس سامان کی خریداری خواجہ اقبال کی نگرانی میں کچھ افغانی اور خراسانی لوگ کرتے تھے۔ ایک

---

[1] سیر الاولیاء : ۱۲۶

خراسانی کی طرف حساب میں سات سو تنکے باقی تھے اور وہ ادا نہیں کر پا رہا تھا۔ خواجہ اقبال نے اس سے یہ رقم وصول کرنے کے لیے اس کے پیروں میں بیڑی ڈال کر ایک حجرے میں بند کر دیا۔ اُس وقت "حبس بے جا" کا قانون نہیں تھا اور نجی طور پر ایسی سزا دینا جائز تھا۔ وہ خراسانی چاہتا تھا کہ کسی طرح حضرت نظام الدین کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ مجھے خواجہ اقبال نے قید کر رکھا ہے مگر خواجہ اقبال کا رعب اتنا تھا کہ کوئی شخص یہ خبر شیخ تک پہنچا نہیں سکتا تھا۔ ایک دن اتفاق سے خواجہ اقبال قیلولہ کرنے کے لیے اپنے گھر چلے گئے اور اس خراسانی نے زور لگانا شروع کیا۔ زنجیر کی جھنکار سُن کر چوکی پہرے کے لوگ آ گئے تاکہ خراسانی کو باہر نہ نکلنے دیں۔ اسی اثنا میں حضرت ظہر کی نماز ادا کرنے کے لیے نیچے تشریف لائے اور دور سے زنجیر کی جھنکار آپ کے کانوں میں آئی۔ قریب جا کر دیکھا تو خراسانی بیڑی میں بندھا پڑا تھا۔ آپ نے پوچھا "یہ بیڑی تمھارے پیروں میں کس نے ڈالی؟"۔ اُس نے کہا کہ "خانقاہ کے حساب میں سات سو تنکے میری طرف باقی ہیں، وہ میں ادا نہیں کر سکا، خواجہ اقبال نے مجھے باندھ کر اس حجرے میں ڈال دیا ہے۔" آپ نے فوراً ایک خادم کو حکم دیا: "لالا کو بلا کر لاؤ۔" وہ آئے تو آپ بہت ناراض ہوئے: "لالا یہ تم کیسے نامعقول کام کرتے ہو؟"۔ خواجہ اقبال نے عرض کیا کہ یہ بے ایمان ہے، ہمارے سات سو تنکے خورد برد کر گیا ہے اور کسی طرح ادا نہیں کرتا اس لیے میں نے اسے باندھ دیا ہے۔ حضرت نے غصّے سے فرمایا:

" تمہارا کیا ہے؟ سب اللہ کا مال ہے۔ اللہ کی ملکیت ہے۔ اللہ کے بندے ہیں۔ کچھ میں کھاتا ہوں، کچھ تم کھاتے ہو، کچھ اس بے چارے نے بھی کھا لیے تو کون سا غضب ہو گیا۔ اسے ابھی رہا کرو۔" فوراً ایک خادم کو بھیج کر لوہار کو بلوایا۔ اس نے آکر چھینی سے بیڑی کاٹی اور جب تک وہ آزاد نہیں ہو گیا حضرت وہیں کھڑے رہے۔[1]

اب پھر جماعت خانے کی تفصیل جو باقی رہ گئی ہے وہ بیان کرتا ہوں: اس سے متصل لنگر خانہ اور مطبخ تھا جس کے انچارج خواجہ برہان الدین غریبؒ تھے۔ یہاں ہر وقت کھانا پکتا رہتا تھا اور ہر آنے جانے والے کے لیے عام لنگر تھا۔ یہ کھانا بڑی بڑی دیگوں میں پکایا جاتا تھا۔ دال، شوربا، کھچڑی، ہریسہ، مختلف اقسام کے کھانے ہوتے تھے۔ متعدد باورچی اور ان کے مددگار ہر وقت کام میں مصروف نظر آتے تھے۔ ابتدا میں دیگیں مانجھنے کی خدمت شیخ کمال الدین کے ذمہ تھی جنھیں بعد کو حضرت نے مالوہ کی طرف بھیج دیا تھا اور اب وہ دھار میں مدفون ہیں۔

حضرت کی خدمت میں طرح طرح کے لوگ آتے رہتے تھے اور ان کے لیے خدام بار بار کھانا لے کر آتے تھے۔ اپنے شیخ کی طرح حضرت کا معمول بھی یہ تھا کہ ہر آنے والے کو اصرار کر کے کچھ ضرور کھلاتے تھے۔ آپ نے بارہا اپنی مجلسوں میں یہ حدیث بیان فرمائی:

---

[1] جوامع الکلم (قلمی)

من زار حیاً ولم یذق منه شیأً فکانه زار میتاً

جس نے کسی زندہ سے ملاقات کی اور اس کے ہاں کچھ کھایا نہیں تو گویا اس نے ایک مردے کی زیارت کی۔

ایک دن آپ کی محفل میں ایک خراسانی مولوی صاحب بیٹھے تھے انھوں نے کہا کہ میں بارہا شیخ رکن الدین ملتانی کی خانقاہ میں حاضر ہوا ہوں مگر انھوں نے مجھے کبھی کچھ نہیں کھلایا اور آپ کی خدمت میں جب بھی آتا ہوں، آپ اصرار کر کے کھلاتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ میں اس حدیث پر عمل کرتا ہوں کہ من زار حیاً ولم یذق منه شیأً فکانّہ زار میتاً۔ خراسانی مولوی صاحب نے کہا کہ یہ حدیث ہے تو شیخ رکن الدین تک بھی پہنچی ہوگی۔ آپ نے کیسا لطیف، پُر مغز اور برجستہ جواب دیا جس سے آپ کی ذہانت، نکتہ رسی اور معنی آفرینی کا اندازہ ہوتا ہے۔ فرمایا کہ ذوق دو طرح کے ہوتے ہیں جسمانی اور روحانی۔ میں حدیث کے الفاظ پر عمل کرتا ہوں اور جسمانی ذوق چکھاتا ہوں۔ برادرم رکن الدین اس سے بھی بڑھ کر روحانی ذوق دیتے ہیں۔

بعد کو کسی نے یہی بات شیخ رکن الدین کے سامنے بھی دہرائی تو انھوں نے فرمایا کہ برادرم نظام الدین نے انکسار سے کام لیا ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ان کی خانقاہ میں آنے والوں کو دونوں ذوق نصیب ہوتے ہیں [1]

---

[1] ملفوظ المخدوم : ۲۹

ایک دن دو آدمیوں کے لیے کھانا لایا گیا۔ مولانا حسام الدین حاجی مولانا جمال الدین اور دوسرے حضرات بھی بیٹھے تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ "جس کا روزہ نہ ہو وہ کھانے میں شریک ہو جائے"۔ اتفاق سے یہ ایامِ بیض تھے اور سب کا روزہ تھا۔ کھانا ان دونوں زائروں کے سامنے رکھ دیا گیا۔ حضرت نے فرمایا کہ جب کوئی ملنے کو آئے تو کھانا پیش کرنا چاہیئے مگر یہ نہیں پوچھنا چاہیئے کہ تمھارا روزہ ہے یا نہیں۔ کیونکہ اگر وہ یہ کہے کہ روزہ ہے تو ریاکاری کا شائبہ ہوتا ہے۔ اگر وہ سچّا اور راسخ آدمی ہے اور ریاکاری سے کوسوں دور ہے تب بھی یہ کہنے پر اس کی ایک خفیہ عبادت علانیہ عبادت کے دفتر میں لکھی جاتی ہے۔ اگر وہ روزے سے نہ ہو اور کہے کہ ہوں تو جھوٹ کا مرتکب ہوا۔ خاموش رہے تو پوچھنے والے کی توہین ہے لہذا یہ سوال ہی نازیبا ہے[۱]"۔

خانقاہ میں ظاہری آرائش کا سامان بالکل نہیں تھا مگر ضرورت کا سب سامان تھا۔ ایک شخص درویشوں سے بہت اعتقاد رکھتا تھا کسی نے اس سے پوچھا کہ تم حضرت نظام الدین کے مرید کیوں نہیں ہو جاتے؟ اس نے کہا کہ میں ایک دن وہاں بیعت کرنے کی نیت سے گیا تھا۔ دیکھا تو وہاں نفیس کمخواب کے پردے پڑے ہیں، کافوری شمعیں

۱؎ فوائد الفواد : ۳۸ - درر نظامیہ : ۶۹

روشن ہیں۔ یہ ٹھاٹھ دیکھ کر میرا دل ہٹ گیا اور واپس چلا آیا۔"

یہ قصہ حضرت کے سامنے بیان ہوا تو آپ نے حاضرین سے پوچھا کہ یہاں جامہ ہائے خواب اور شمعیں کب تھیں؟ پھر مسکرا کر فرمایا کہ اس کی قسمت میں بیعت کی دولت نہیں تھی اس لیے اُسے یہ چیزیں دکھا دی گئیں۔ امیر حسن نے کہا کہ اگر جامۂ خواب اور شمعیں ہوں بھی تو ان سے کسی کا اعتقاد کیوں فاسد ہو؟ حضرت نے فرمایا کہ بعض لوگوں کا اعتقاد ذرا سی بات سے خراب ہو جاتا ہے اور بعض کا اعتقاد بہت قوی ہوتا ہے"[1]

حضرت نے کوئی خزانہ جمع نہیں کیا، کوئی جاید از نہیں خریدی، کوئی سرکاری خطاب یا عہدہ قبول نہیں کیا۔ کسی بادشاہ یا امیر کے دربار میں کبھی نہیں گئے۔ خانقاہ کا سارا خرچ جس کا بجٹ لاکھوں روپے سالانہ کا تھا، محض "توکّل" پر چلتا تھا۔ صبح سے شام تک آنے والے ہزاروں عقیدت مند طرح طرح کے تحفے اور ہدایا لے کر آتے تھے اور نذریں پیش کرتے تھے۔ یہ سب چیزیں خواجہ اقبال کے چارج میں رہتی تھیں۔ وہ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد حضرت کی مجلس سے ڈھیریاں اٹھواتے رہتے تھے جس میں سونے اور چاندی کے سکّوں کے علاوہ ہر طرح کے پھل، مٹھائیاں، لباس، ظروف، وغیرہ ہوتے تھے۔ ایک مولوی صاحب حضرت

---

[1] فوائد الفواد : ۱۴۱

کی خانقاہ میں آرہے تھے۔ انھوں نے سوچا کہ وہاں طرح طرح کے لوگ بھانت بھانت کی چیزیں لاتے ہیں اور حضرت کے سامنے ڈھیر لگا دیتے ہیں۔ حضرت کبھی کسی چیز کو ہاتھ بھی نہیں لگاتے۔ نہ انھیں یاد رہتا ہے کہ کون شخص کیا لایا تھا۔ یہ سوچ کر انھوں نے ایک پڑیا میں مٹی باندھ لی اور سب کے ساتھ خانقاہ میں حاضر ہوئے تو وہ پڑیا نذرانوں کے ڈھیر میں رکھ دی۔ کچھ دیر کے بعد خواجہ اقبال وہاں سے نذرانے کی چیزیں اٹھا کر لے جانے لگے۔ جب انھوں نے اس پڑیا کو ہاتھ لگایا تو حضرت نے فرمایا کہ "یہ پڑیا یہیں رہنے دو، یہ سرمہ ہماری آنکھوں کے لیے ہے۔"

جن صاحب نے یہ حرکت کی تھی وہ بے حد نادم ہوئے اور انھوں نے بہت الحاح کے ساتھ معافی مانگی۔

ایک بار کوئی شخص "تنکہ ہائے زر" (سونے کی اشرفیاں) نذر کر گیا یہ دوپہر کا وقت تھا حضرت نے وہ تھیلی خواجہ اقبال کو سپرد کرتے ہوئے ہوئے فرمایا: "اسے رکھ دو۔ شام کو تقسیم کر دیں گے۔" اگلے دن شام کو اُس کا دھیان آیا تو آپ نے فرمایا: "لالہ وہ تھیلی کہاں ہے؟ لاؤ تاکہ اِن حاجت مندوں میں بانٹ دیں۔" خواجہ اقبال نے اس عرصے میں یہ سمجھ کر کہ حضرت کے ذہن سے اُتر گئی ہوگی وہ تھیلی اپنے گھر لے جا کر رکھ دی تھی۔ اب جو حضرت نے طلب فرمائی تو حجرے میں اِدھر اُدھر طاقچوں میں ٹٹولنے لگے۔ حضرت نے مسکرا کر فرمایا: "طاقچے کیا ٹٹول

رہے ہوں، میں تو اسے بہت سے حاجت مندوں میں تقسیم کرنا چاہتا تھا، مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے کسی ایک ہی شخص کی قسمت میں لکھ دی تھی۔"

فتوح کی ایسی ریل پیل کے باوجود حضرت کا دل دنیا کی کسی چیز سے متعلق نہ تھا۔ ہیرے جواہرات اور کنکر پتھر آپ کی نگاہ میں برابر تھے۔ ایسا کامل ترک تھا کہ دونوں جہان کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ ایک بار فرمایا کہ مجھے شروع سے دنیا جمع کرنے کا خیال نہیں تھا۔ پھر میرا پیوند ایسی جگہ ہوا کہ بابا صاحب کی نظر میں دونوں عالم ہیچ تھے۔ خالص ترک تھا۔"

اگر کسی دن فتوح زیادہ آجاتی تھی اور بھاری نذریں پیش ہوتی تھیں تو آپ ان نذروں کے ڈھیر کو دیکھ کر اور زیادہ روتے تھے اور انھیں جلد از جلد تقسیم کرا دیتے تھے۔ بار بار اپنے خادموں کو بھیجتے تھے کہ جاؤ فلاں چیز رکھی ہے اسے بانٹ دو اور جب کان میں یہ آواز آتی تھی کہ سب بٹ گئی تو چہرۂ مبارک پر عجب طرح کا اطمینان ظاہر ہوتا تھا۔[1]

حضرت چراغ دہلیؒ نے فرمایا کہ حضرت نظام الدین اولیاؒ کی درگاہ میں فتوحات ایسی کثرت سے آتی تھیں کہ معلوم ہوتا تھا دریا بہہ رہا ہے۔ جو شخص بھی آتا تھا وہ کچھ نہ کچھ لے کر آتا تھا اور کچھ نہ کچھ حضرت سے عطیہ لے کر جاتا تھا۔ فتوح کے سلسلے میں آپ نے دو اصول اختیار

---

[1] سیر الاولیاء : ۱۳۱

کر رکھے تھے اور اپنے خلفاء کو بھی ان کی تلقین فرماتے تھے۔ نذریں قبول کرنے کے بارے میں فرماتے کہ تین باتیں ملحوظ رہنی چاہئیں: لَاحَدٌ وَلَا رَدٌّ وَ لَا کَدٌّ۔

یعنی ایک تو اپنی طرف سے نذر کی حد (مقدار) مقرر نہ کرے۔ دوسرے کوئی کتنی ہی حقیر نذر پیش کرے اُسے رد نہ کرے تیسرے اگر کوئی کچھ نہیں دیتا ہے تو اس سے کد نہ رکھے۔

اور فتوح کی تقسیم کا اصول یہ بیان فرمایا کہ "دس دس لیتے جاؤ اور ایک ایک دیتے جاؤ" یعنی کسی عقیدت مند نے اگر دس روپے نذر کیے تو دس فقیروں میں ایک ایک روپیہ کر کے بانٹ دیے جائیں۔

اسی لیے حضرت چراغ دہلی فرماتے ہیں کہ لانے والوں سے پانے والوں کی تعداد زیادہ ہی رہتی تھی۔ اگر کوئی شخص نذر پیش کرتا تو آپ اس سے یہ ضرور دریافت فرماتے تھے کہ تمھاری حاجت کیا ہے؟ وہ اپنی پریشانی بیان کرتا۔ کبھی اس کو تعویذ دے دیا جاتا، کسی کو پڑھنے کے لیے کوئی وظیفہ بتا دیتے، اہلِ دنیا سے متعلق کوئی کام ہوتا تو سفارشی خط لکھ کر دے دیتے اور کبھی اس کی بپتا سُن کر خاموش ہو جاتے اور خاموشی کا مطلب یہ تھا کہ حضرت اس کے لیے دعا فرمائیں گے۔

حضرت فرماتے کہ اگر کوئی نذرانہ لے کر آئے اور کسی حاجت کے پورا ہونے کا طلب گار ہو تو درویش کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس کی وہ حاجت پوری ہونے والی ہے بھی یا نہیں۔ اگر پوری ہونے والی نہ ہو تو

ایسے نذرانے کر کھانا حرام ہے۔ ایک دن حضرت قیلولہ فرما رہے تھے۔ ایک شخص نے نیا گھوڑا خریدا تھا وہ برکت اور شکرانے کی نیت سے چاندی کا ایک تنکہ حضرت کی نذر کرنے آیا۔ کچھ درویش جماعت خانے میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ انھوں نے کہا کہ حضرت تو اس وقت آرام فرما رہے ہیں، تم یہ شکرانہ ہمیں دے جاؤ، ہم تمھارے لیے دعا کریں گے۔ وہ شخص ان درویشوں کو نذرانہ دے کر چلا گیا۔ قضارا چند روز کے بعد اس کا وہ گھوڑا بھاگ گیا۔ اس نے خانقاہ میں آکر حضرت سے دُعا کی درخواست کی اور یہ بھی بتایا کہ گھوڑا خریدنے کے بعد وہ جماعت خانے کے درویشوں کو شکرانے کا ایک تنکہ دے گیا تھا۔ حضرت نے خادم سے فرمایا: جماعت خانے کے جن درویشوں نے وہ تنکہ وصول کیا تھا ان سے کہو کہ اب آئیں اور اس شخص کے گھوڑے کا جواب دیں!

اگر کوئی شخص نذرانہ پیش کرتا مگر اپنی کسی حاجت کا اظہار نہ بھی کرتا تب بھی آپ کا دل اس کی طرف مشغول رہتا تھا۔ ایک بار کسی نے ایک تنکہ حضرت کو نذر کیا تھا چند روز کے بعد اس کے بیمار ہو جانے کی اطلاع ملی۔ حضرت نے حاضرین سے فرمایا: "اس شخص کی صحت یابی کے لیے دعا کرو۔ وہ جس دن سے ہمیں چاندی کا ایک تنکہ نذر دے گیا ہے وہ ہمارے دل میں کھٹک رہا تھا۔"

جو لوگ دعا کے طالب ہوتے حضرت اُن سے فرمایا کرتے تھے کہ

جب تمہارا کام پورا ہو جائے تو ہمیں آکر بتا دیا کرو ورنہ ہمارا دل اُس کام سے متعلق رہتا ہے۔ ایک بار کسی شخص کا ملازم بھاگ گیا۔ اس نے آکر دعا کی درخواست کی۔ آپ نے دعا فرمائی اور وہ ملازم واپس آگیا لیکن اس شخص نے واپسی کی اطلاع حضرت کو نہیں دی۔ چند روز کے بعد وہ ملازم پھر فرار ہو گیا اور یہ شخص پھر دعا کی درخواست لے کر آیا اور بتایا کہ وہ اب دوسری بار بھاگا ہے۔ حضرت نے فرمایا: "تم نے اس کے پہلی بار واپس آنے کی ہمیں خبر کیوں نہیں کی تھی؟ جب ہم کسی کام کے لیے دعا کرتے ہیں تو اس کام کی تکمیل تک ہمارا دل اُدھر ہی مشغول رہتا ہے۔ اس لیے ہمیں آکر بتا دیا کرو۔"

اس زمانے میں نظام الدین کو توال شہر حضرت کا عقیدت مند تھا وہ ہر جمعہ کو حضرت کی خدمت میں کچھ نذرانہ بھیجا کرتا تھا اور یہ ایسا معمول ہو گیا تھا کہ کبھی ضرورت کے وقت حضرت کو بھی دھیان آجاتا تھا کہ جمعہ کو کوتوال کا نذرانہ آئے گا تو فلاں کام کیا جائے گا۔ ایک دن آپ محفل سماع میں تھے۔ وجد وحال کا غلبہ ہوا تو آپ کھڑے ہو گئے اور دونوں ہاتھ بلند کر کے رقص کرنا چاہتے تھے معاً خیال آیا کہ سماع میں وجد کرنا تمھارے لیے جائز نہیں کیونکہ تمھاری وجہ معاش مقرر ہے۔ اسی وقت دل میں نیت کرلی کہ اب کوتوال کی طرف سے نذرانہ آئے گا تو واپس کر دیں گے۔ پھر سماع میں مشغول ہوئے۔

آیندہ جمعہ کو حسب معمول کوتوال کا آدمی نذرانہ لے کر آیا تو آپ نے

اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے واپس جا کر کو توال سے کہا۔ وہ بہت فکر مند ہوا کہ شاید مجھ سے کوئی گستاخی ہوئی ہے جو حضرت کبیدہ خاطر ہو گئے اور آپ نے نذرانہ واپس کر دیا۔ وہ خود حاضر خدمت ہوا اور نذرانہ پیش کیا۔ آپ نے پھر انکار کیا۔ اس نے وہ رقم آپ کے قدموں میں ڈال دی اور پائے مبارک پر اپنا سر رکھ دیا۔ حضرت اپنے ہاتھوں سے اس کا سر پکڑ کر اٹھا رہے تھے اور وہ قدم نہیں چھوڑ رہا تھا۔ اس وقت کا حال یہ تھا کہ حضرت تشریف فرما تھے، نذرانے کے روپے قدموں میں پڑے تھے اور کوتوال قدموں پر سر رکھے ہوئے الحاح کر رہا تھا کہ اگر مجھ سے کوئی گستاخی ہوئی ہے تو حضرت معاف فرما دیں اور حضرت کے کانوں میں اس وقت اپنے پیر و مرشد کے الفاظ گونج رہے تھے کہ انھوں نے ایک بار فرمایا تھا: "جو ترک دنیا کرتا ہے اللہ تعالےٰ دنیا اور دنیا داروں کو اس کے قدموں میں لا کر ڈال دیتا ہے۔"

خانقاہ میں آنے والوں کے لیے کچھ آداب بھی سختی سے ملحوظ رکھے جاتے تھے اور بعض باتوں سے شگون لیا جاتا تھا۔ باباصاحبؒ کی خدمت میں کسی نے تحفے میں چاقو پیش کیا تھا تو انھوں نے فرمایا تھا کہ "یہ کاٹنے کا آلہ ہے، مجھے سوئی دو۔ میں کاٹتا نہیں جوڑتا ہوں۔"

حضرت خواجہ نظام الدین فرمایا کرتے تھے کہ درویش کے پاس کبھی خالی ہاتھ نہیں جانا چاہیئے۔ کچھ نہ ہو تو ہری گھاس کا ایک دستہ ہی لے کر چلا جائے۔ ایک بار حضرت کہیں سے تشریف لا رہے تھے

راستے میں ایک شخص کو دیکھا کہ بڑا سا خوان سر پر رکھے خانقاہ کی طرف جا رہا ہے۔ آپ نے اسے روک کر دریافت کیا، کہاں جا رہے ہو؟ اس نے کہا کہ خانقاہ سے فلاں جگہ کھانا گیا تھا۔ اب یہ خالی برتن مطبخ میں واپس کرنے جا رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ درویشوں کے گھر خالی برتن نہیں لے جاتے۔ دو پیسے کی ریوڑیاں خرید کر اس خوان میں رکھ لو پھر لے جاؤ۔[1]

۳۔ آپ کے معمولات

دہلی میں ابتدا ہی سے آپ کا یہ معمول تھا کہ مہینے میں ایک بار حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار مبارک پر حاضری دیا کرتے تھے اور کبھی کبھی تمام رات مزار کے پائین مراقبے میں بیٹھے رہتے تھے۔ ایک رات کو آپ زانو پہ سر رکھے ہوئے مراقب بیٹھے تھے اچانک ایسی آواز آئی جیسے کوئی بہت خوش الحانی کے ساتھ قرآن شریف پڑھ رہا ہے۔ آپ نے سمجھا کہ یہ آواز حضرت قطب صاحبؒ کے مزار سے آ رہی ہے لیکن پھر غور سے سنا تو قطب صاحبؒ کے مزار کے قریب جو قبر واقع ہے اس سے آ رہی تھی۔

ایک بار آپ قطب صاحبؒ کے مزار پر مراقبہ کر رہے تھے اس

---

[1] احسن الاقوال (ملفوظات حضرت برہان الدین غریبؒ)

وقت دل میں خیال گذرا کہ حضرت کی روح تو عالم علوی میں ہے نہ جانے آپ کو میرے حاضر ہونے کی خبر بھی ہوتی ہوگی یا نہیں۔ اسی وقت دیکھا تو قطب صاحب کی صورت مثالی سامنے تھی اور وہ فرما رہے تھے :

مرا زندہ پندار چون خویشتن
من آیم بجان گر تو آئی بتن [1]

(مجھے بھی تم اپنی ہی طرح زندہ سمجھو۔ اگر تم جسمانی طور پر آتے ہو تو میں روحانی طور پر تمھارے پاس رہتا ہوں۔)

قطب صاحبؒ کی درگاہ میں آپ حضرت قاضی حمید الدین ناگوری اور قطب صاحب کے مزاروں کے درمیان نماز پڑھتے اور مراقبہ کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ میں نے اس مقام پر بہت نمازیں پڑھی ہیں اور ان میں لذت اور راحت پائی ہے۔ پھر فرمایا کہ جگہ میں کیا رکھا ہے۔ اصل برکت تو ان دونوں بزرگوں کی ہے کہ ایک بادشاہ ادھر سو رہا ہے دوسرا اُدھر[2]۔ یہ بھی فرمایا کہ قطب صاحبؒ کی درگاہ کبھی ابدال سے خالی نہیں رہتی۔

غیاث پور کی خانقاہ میں منتقل ہونے کے بعد بھی جب فتوحات کی کثرت ہوگئی تھی آپ قطب صاحبؒ کی درگاہ میں حاضری دینے کے لیے بڑی پابندی اور اہتمام سے تشریف لے جاتے تھے۔ مریدوں اور

---

[1] سیر الاولیاء: ۵۰-۵۱ [2] ایضاً: ۵۰۔

خادموں کی ایک بڑی جماعت آپ کے ساتھ ہوتی تھی۔ متعدد گاڑیوں میں جنس، غلّہ، کپڑے اور نقدی وغیرہ رکھے جاتے۔ جو راستے میں مسکینوں اور غریبوں کو تقسیم کیے جاتے۔ یہ کام خواجہ اقبال کے ذمہ تھا۔ راستے میں حضرت نجیب الدین متوکلؒ اور حضرت کی والدہ ماجدہؒ کے مزارات بھی تھے وہاں فاتحہ پڑھتے ہوئے قطب صاحبؒ میں پہنچتے تھے۔

ایک محلّہ ایسا پڑتا تھا جس میں طوائفیں آباد تھیں، وہ سب حضرت کی آمد کی سن گن پاکر اپنے حجروں سے باہر آبیٹھتی تھیں۔ خواجہ اقبال انھیں چاندی کا ایک ایک تنکہ (اس زمانے کا سکّہ) دیتے چلے جاتے اور کہتے کہ حضرت تشریف لارہے ہیں تم سب پردے کے پیچھے بیٹھ جاؤ۔ ان طوائفوں کا یہ ایک طرح سے وظیفہ سا بندھ گیا تھا اور وہ حضرت کے اس راہ سے گذرنے کا انتظار کرتی رہتی تھیں۔

ہر سال ۵ محرم سے ۱۰ محرم تک حضرت بابا فریدؒ کا عرس بڑے تزک و احتشام سے ہوتا تھا۔ اس وقت حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ ان فاحشہ عورتوں کو بھی کھانے کے حصّے اور چاندی کے تنکے بھجواتے تھے۔ کسی کو دو حصّے اور دو تنکے، کسی کو ایک حصّہ اور ایک تنکہ۔ خواجہ اقبال کے پیش کاروں میں ایک صاحب تھے، ان کا نام اَبو تھا وہ عرس کے موقع پر یہ حصّے پہنچایا کرتے تھے۔ ایک بار وہ کھانے کا ایک حصّہ اور چاندی کا ایک تنکہ کسی طوائف کو دینے لگے۔ وہ بڑی منہ پھٹ تھی۔ اس نے خواجہ اَبو کا دامن پکڑ لیا اور فضیحت کرنے لگی کہ مجھے تو حضرت

کی طرف سے دو حصّے اور دو تنکے آیا کرتے تھے تم نے بیچ میں ایک حصّہ مار لیا ہے۔ ابّو نے قسمیں کھا کر کہا کہ میں نے بیچ میں کچھ نہیں کھایا۔ خواجہ اقبال نے مجھے جو کچھ دیا تھا وہ تمھارے پاس پہنچا دیا۔ مگر وہ نہیں مانی۔ اور یہ بڑی مشکل سے اپنا پنڈ چھڑا کر وہاں سے آئے اور خواجہ اقبال کو سارا ماجرا سنایا۔ اس وقت حضرت حجرے کے اندر تھے۔ آپ نے ابّو کی باتیں سن لیں اور وہیں سے آواز دی: "لالا یہ ابّو کیا کہہ رہا ہے؟" خواجہ اقبال نے حضرت کو بتایا کہ میں نے فلاں طوائف کے لیے ایک حصّہ اور ایک تنکہ بھیجا تھا وہ ابّو کے سر ہو گئی کہ مجھے دو حصّے ملا کرتے تھے ایک تم نے بیچ میں کھا لیا ہے۔ بڑی مشکل سے اپنا پنڈ چھڑا کر آرہے ہیں۔" حضرت نے فرمایا: "وہ بے چاری سچ کہتی ہے اُسے دو حصّے ہی جایا کرتے ہیں۔ تم ابھی ایک حصّہ اور بھجوا دو۔"[1]

عرس کی محفلیں ختم ہو جاتیں تو حضرت شہر میں رہنے والے اپنے مخلصین اور معتقدین کو نام بنام یاد کر کے دریافت فرماتے کہ فلاں صاحب عرس میں آئے تھے؟ اگر کسی کے لیے خواجہ اقبال کہتے کہ انھیں محفلوں میں نہیں دیکھا گیا تو پوچھتے کیا انھیں تبرّک اور لنگر کا حصّہ بھجوا دیا تھا؟ اگر وہ کہتے کہ حصّہ بھی نہیں بھیجا گیا تو آپ افسوس کرتے کہ وہ اس نعمت سے محروم رہ گئے۔

---

[1] جوامع الکلم (قلمی) (ملفوظات حضرت بندہ نواز گیسو درازؒ)

عرس کا لنگر جماعت خانے کے حضرات بھی بڑے اہتمام سے حاصل کرتے تھے۔ حضرت برہان الدین غریب تو لنگر کی روٹیاں خشک کر کے رکھ لیا کرتے اور سال بھر تک اسی سوکھے لنگر سے بیماروں کا علاج کرتے تھے۔ جسے یہ تبرک دیا جاتا تھا خدا کے فضل سے اُسے شفا بھی نصیب ہو جاتی تھی۔

قطب صاحب ہی کے راستے میں شہر کی آبادی سے باہر پل قتلغ واقع تھا۔ یہاں ایک بڑا حوض تھا۔ اس کے اطراف میں چار دیواری تھی اور اس کے باہر حظیرے بنے ہوئے تھے۔ ایک حظیرے کا نام "اُنسیہ" تھا۔ یہاں کچھ لوگوں کی جھونپڑیاں پڑی تھیں اور باڑے بنے ہوئے تھے۔ جو لوگ شہر کی گہما گہمی سے دور رہنا چاہتے تھے وہ بھی یہاں چھپر ڈال کر رہنے لگتے تھے۔ یہیں ایک بوڑھی باندی کا جھونپڑا تھا۔ اس کا نام لکھاں یا لکھماں تھا۔ یہاں حضرت بابا فریدؒ کے ایک مرید مولانا وحید کی نشست رہتی تھی۔ اُن کے دو پیر بھائی اور آجایا کرتے تھے۔ ان میں سے پیشے کے لحاظ سے ایک بقال تھے اور دوسرے درزی۔ یہ دونوں بھی حضرت بابا فرید کے مرید تھے بلکہ شاید خلافت بھی رکھتے تھے۔

حضرت نظام الدینؒ جب قطب صاحبؒ کی زیارت کے لیے جاتے تو راستے میں مولانا وحید کی جھونپڑی میں بھی تھوڑی دیر قیام رہتا اور سب پیر بھائی ایک دوسرے سے مل کر بہت خوش ہوتے۔ کبھی حضرت سماع

سننا چاہتے تو مولانا وحید لکھماں سے کہتے کہ کھچڑی پکا لو۔ ایک بڑی سی مٹی کی ہانڈی میں کھچڑی چڑھا دی جاتی۔ گھی منگا لیا جاتا۔ شہر میں آدمی بھیج کر قوال بلوا لیے جاتے۔ پھر دروازہ بند کر کے محفلِ سماع شروع ہو جاتی۔ آخر میں قوالوں اور دوسرے دوستوں کو کھچڑی کھلا کر رخصت کر دیا جاتا۔

ایک دن حضرت نظام الدینؒ لکھماں کے جھونپڑے کے پاس سے گذرے اور مولانا وحید کو بلوایا۔ لکھماں نے بتایا کہ وہ فلاں باغ میں گئے ہیں۔ حضرت بھی اپنے ساتھیوں سمیت اُسی باغ کی طرف چلے گئے۔ دیکھا تو مولانا وحید اور وہ دونوں درویش باغ میں بیٹھے قوالی سُن رہے ہیں۔ حضرت کو دیکھ کر انھوں نے اشارے سے سماع بند کر دیا۔ یہ غیاث الدین تغلق کا زمانہ تھا اور اس نے سماع کی محفلیں بند کرا رکھی تھیں۔ اس لیے لوگ چھپ کر اور دروازے بند کر کے سماع سُنا کرتے تھے۔ مولانا وحید نے حضرت سے عرض کیا کہ آپ کا یہاں تشریف لانا چھپا نہیں رہ سکتا۔ یہ بات ملوک و امراء کو بھی معلوم ہو جائے گی اور وہ یہاں آجائیں گے یا مجھے دربار میں طلب کر لیں گے پھر دار و گیر کریں گے۔ حضرت نے فرمایا کہ آئندہ اس کی احتیاط کی جائے گی۔ اب آپ بھی محفل سماع میں شریک ہو گئے اور دیر تک مجلس برپا رہی [1]

---

[1] جوامع الکلم (قلمی) (کتب خانہ حضرت خواجہ حسن نظامیؒ)

کبھی درگاہ میں قلندر، جوالقی اور حیدری فقیر غُل مچاتے ہوئے گھس آتے۔ سر سے پانو تک لوہے میں غرق، گلے میں موٹا سا لوہے کا طوق، ایک ایک ہاتھ میں دس دس لوہے کے کڑے۔ چمٹا تھامے، کنٹھا پہنے دم مست قلندر کی صدا لگاتے ہوئے۔ یہ لوگ جو منھ میں آتا کہتے رہتے حضرت بڑے صبر و تحمل اور ادنیٰ سی ناگواری کے بغیر ان کی باتیں سنتے اور جو کچھ ان کا مطالبہ ہوتا وہ دے کر انھیں رخصت کرتے۔ ایک بار کوئی جوالقی درویش آیا اور اس نے بہت کچھ اول فول بکا۔ حضرت نہایت سکون کے ساتھ سنتے رہے۔ پھر اس نے کچھ مانگا وہ اسے دے دیا گیا۔ جاتے ہوئے اس نے پکار کر دعا دی: "تا جہاں باد جرم ما باد و احتمال شما"۔ یعنی جب تک دنیا قائم ہے ہم ایسے ہی گستاخیاں کرتے رہیں اور تم یونہیں برداشت کرتے رہو۔

اس کے جانے پر حضرت نے فرمایا کہ "ان باتوں کی بھی ضرورت ہے۔ صبح سے شام تک خانقاہ میں ایسے لوگ آتے ہیں جو قدم چومتے ہیں تعظیم کرتے ہیں اور ہمیں نذریں اور تحفے پیش کرتے ہیں۔ اگر ایسے قلندر بھی آتے رہیں جو اول فول بکیں اور دھونس سے وصول کریں تو ان سے اُن کا کچھ کفارہ ہو جاتا ہے۔"

حضرت خواجہ نظام الدینؒ ان دنوں کو چھوڑ کر جن میں روزہ مکروہ ہے ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔ اس لیے آپ دن میں کچھ نہیں کھاتے تھے آپ کے لیے سحری کے وقت خواجہ عبدالرحیم ایک خوان میں کچھ کھانا

لے کر آتے اور دروازہ کھٹکھٹاتے۔ آپ اس وقت تہجد پڑھ کر ذکر و مراقبے میں مشغول ہوتے یا گریہ و زاری کا غلبہ ہوتا۔ کھٹکا سن کر حضرت خود اُٹھتے اور حجرے کی کنڈی کھول دیتے۔ خواجہ عبدالرحیم سلام عرض کرتے اور کھانے کا خوان فرش پر رکھ دیتے۔ جس میں اکثر کھچڑی یا ہریسہ یا کریلے کی سبزی اور اسی طرح کے کھانے ہوتے تھے۔ آپ دو چار لقمے کھا کر ہاتھ روک لیتے اور بچے ہوئے کھانے کے لیے فرماتے کہ رکھ دو۔ صبح کو بچوں میں بانٹ دینا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ کھانا جوں کا توں واپس کر دیتے تھے۔ اُس وقت خواجہ عبدالرحیم کہتے کہ حضرت آپ افطار کے وقت بھی کچھ نہیں کھاتے اور اس وقت بھی۔ اس سے تو کمزوری بہت بڑھ جائے گی۔ تو حضرت کی آواز رُندھ جاتی آنکھوں میں آنسو امڈ آتے اور بڑے درد سے فرماتے کہ "اللہ کے ہزاروں مسکین بندے سڑکوں پر، دکانوں کے تختوں پر اور مسجدوں کے کونوں میں بھوکے پڑے رات گذار رہے ہیں۔ یہ کھانا نظام الدین کے حلق سے کیسے اتر سکتا ہے [1]۔"

سحری کے بعد آپ نیچے تشریف لاتے اور خواجہ سیّد محمد کی امامت میں فجر کی نماز ادا کرتے۔ سید محمد امام حضرت کے منہ بولے بیٹے اور حضرت بابا فریدؒ کے نواسے تھے۔ کلام ربّانی کے حافظ تھے اور آواز میں بلا کا

---

[1] سیر الاولیاء: ۱۲۸

سوز و گداز تھا۔ جب فجر کی نماز میں طویل سورتیں خوش الحانی کے ساتھ پڑھتے تو در و دیوار پر وجد کا عالم طاری ہو جاتا۔ حضرت کی آنکھوں سے بھی آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی اور خواجہ محمد امام بھی اکثر گریہ ضبط نہ کر پاتے۔ نماز کے بعد آپ نے خواجہ محمد امام کو متعدد بار اپنا خاص لباس مرحمت فرمایا۔ نماز کے بعد اوپر حجرے میں جا کر قرآن شریف کا ایک پارہ تلاوت کرتے اور پھر ذکر و مراقبے میں مشغول ہو جاتے۔ یہ نزول انوار کا خصوصی وقت ہوتا تھا اور آپ پر ایسی شدت سے گریہ طاری ہوتا تھا کہ بے چین ہو جاتے تھے۔ پھر اشراق اور چاشت کی نمازیں پڑھ کر دس بجے کے قریب نیچے جماعت خانے میں تشریف لاتے اور سجادے پر جلوہ افروز ہوتے۔ اس وقت ملوک و امراء، علماء درویش، فقراء، مساکین، بیعت کے خواہش مند، دور و نزدیک سے آئے ہوئے عقیدت مند سب طرح کے لوگ مجلس میں موجود ہوتے اور ساری خانقاہ میں عجب چہل پہل نظر آتی تھی۔

حضرت مجلس میں تشریف فرما ہوتے تو سب تعظیماً کھڑے ہو جاتے آنے والے کورنش بجا لاتے۔ آپ ہر ایک کی طرف التفات فرماتے، ہر شخص سے شفقت اور محبت کا برتاؤ کرتے، سب کی بپتا سنتے، سب کا دکھ درد بانٹتے۔ کسی کو پڑھنے کے لیے کوئی وظیفہ بتا رہے ہیں۔ کسی کے دل میں کچھ خطرات گذر رہے ہیں اور آپ قصّے اور حکایتیں سنا کر پردے میں اس کی باتوں کا جواب دے رہے ہیں۔ ایک شخص آیا ہے۔ وہ عرض

کرتا ہے کہ میرا حال خراب ہے تنگدستی دور ہونے کی دعا فرمائیے۔ فرما رہے ہیں کہ رات کو سونے سے پہلے سورۂ جمعہ پڑھ لیا کرو۔ میرے شیخ تو ہر جمعہ کی شب میں پڑھنے کو کہا کرتے تھے، میں ہر شب کے لیے تجویز کرتا ہوں۔ مگر اپنے لیے کبھی نہیں پڑھی کیونکہ خدا مجھے جس حال میں رکھنا چاہتا ہے اسی میں رہنا چاہتا ہوں۔ ایک بار کچھ لوگوں کے درمیان میرا گذر ہوا جو صوفیانہ لباس میں تھے۔ ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا کہ میں نے آج یہ خواب دیکھا ہے، دوسرا کہہ رہا تھا کہ بہت اچھا خواب ہے تمہارا روزگار بنے گا اور اسباب عیش مہیّا ہوں گے۔ میرے جی میں آئی کہ ان سے کہوں کہ خواجہ تم جن لوگوں کا لباس پہنے بیٹھے ہو وہ ایسی تعبیریں نہیں دیا کرتے پھر یہ سوچ کر خاموش ہو گیا کہ مجھے کیا!"

وہ شخص جس نے فراخی رزق کے لیے دعا کی درخواست کی تھی، کہہ رہا ہے "مگر مخدوم۔ رزق کی فراخی اور روزگار کی آسودگی کے بغیر تو انسان کی گذر نہیں ہوتی۔" حضرت مسکرا کر فرما رہے ہیں کہ یہ قصّہ میں نے تمہارے حال پر نہیں سنایا یہ میں اپنے عالم کی بات کہہ رہا ہوں[1]۔"

حضرت اجودھن سے اپنے شیخ کی ریش مبارک کا ایک بال لے آئے تھے اور اسے ایک لال کترّ میں گرہ دے کر باندھ لیا تھا، وہ

---

[1] فوائد الفواد : ۹۷

حجرے کی ایک طاق میں رکھا رہتا تھا۔ کبھی کوئی مریض آتا اور دعائے صحت کا طالب ہوتا تو اُسے وہ گرہ اُٹھا کر دے دیتے اور فرماتے کہ "اسے بہت احتیاط سے رکھنا یہ ہمارے پیر و مرشد کا موے مبارک ہے جب آرام ہو جائے تو فوراً یہ تعویذ ہمیں واپس کر جانا تاکہ دوسروں کے کام آئے"۔

مجلس میں ہر وضع و قماش کے لوگ موجود ہوتے۔ وہ بھی جنھیں صرف معرفت کی پیاس اور مولا کی طلب اس چشمۂ عرفاں تک کھینچ لاتی اور وہ بھی جو دنیا کے ستائے ہوئے اور دنیا ہی کے طلب گار ہوتے۔ حضرت طیب خاطر سے سب کی سنتے۔ کبھی لطیف مزاح بھی فرماتے اور موعظۂ حسنہ کے لیے ایسے نکتے پیدا کر لیتے جہاں کسی کا ذہن نہیں پہنچتا اس طرح سائل کی ڈھارس بھی بندھاتے اور اسے اللہ کی طرف بھی بلاتے۔

ایک صاحب چہرے مہرے سے تعلیم یافتہ معلوم ہوتے ہیں حضرت سے بیعت ہونے کے لیے آئے ہیں۔ باوجودیکہ حضرت نے آخری زمانے میں بیعت کا دروازہ ہر عالم اور عامی، وضیع و شریف، چھوٹے اور بڑے کے لیے کھول رکھا تھا اور روزانہ جوق در جوق لوگ مرید ہوتے تھے۔ مگر ان کی درخواست کو شرف قبول نہیں بخشا۔ فرما رہے ہیں "سچ سچ بتاؤ کہ کس نیت سے آئے ہو؟" آخر انھوں نے زچ ہو کر اقرار کر لیا کہ مجھے ناگور میں کچھ معافی کی زمین ملی تھی وہاں کا مُقطع (حاکم) مجھے زمین کا قبضہ نہیں لینے دیتا۔ اس کے لیے آپ سے سفارش کرانا چاہتا ہوں، سُنا

ہے کہ وہ آپ کا عقیدت مند ہے۔" حضرت نے مسکرا کر فرمایا: "اگر اس کے نام سفارشی خط لکھ کر تمھیں دے دیا جائے تو پھر بیعت تو نہیں کروگے؟" انھوں نے مجبوراً اقرار کرلیا۔ حضرت نے اسی وقت سفارشی خط لکھ کر حوالے کر دیا اور یہ سلام کرکے رخصت ہو گئے۔[1]

ایک صاحب ذرا دور بیٹھے ہیں اور بہت دیر سے بیٹھے ہیں۔ رہ رہ کر پہلو بدل رہے ہیں جیسے کچھ کہنا ہے مگر موقع نہیں پا رہے ہیں۔ اچانک حضرت نے ان کی طرف التفات فرمایا اور انھیں بلا کر اپنے قریب بٹھا لیا اور دریافت کیا۔ "کہو کیا بات ہے؟" انھوں نے اپنا دکھڑا ایسے سنانا شروع کیا کہ صرف قریب بیٹھے ہوئے لوگوں نے سنا ہوگا۔ دور بیٹھے ہوئے لوگوں نے کچھ نہیں سمجھا۔ حضرت کے چہرے پر بشاشت ظاہر ہو رہی ہے۔ کبھی کبھی مسکرا کر سرِ مبارک کو جنبش دیتے ہیں۔ "یہ تو بہت اچھی بات ہے کہ تم ایک گانے والی پر عاشق ہو گئے ہو۔ اچھا کبھی اس سے تقرّب بھی کیا؟" یہ صاحب شاید "تقرّب" کا مطلب نہیں سمجھے، بولے "جی؟"

فرمایا: کبھی اس سے ملنے کی کوشش ہوتی ہے؟"

کہنے لگے: "جی ہاں کبھی کبھی اس سے ملنا ہوتا ہے۔ بات چیت بھی ہو جاتی ہے۔"

---

[1] سیر الاولیاء: ۱۴۸

حضرتؒ نے مسکرا کر فرمایا : "یہ قُرب ہے۔ تقرّب نہیں ہے"۔

وہ شخص کہنے لگا : "ہم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں"۔

حضرت نے پھر مسکرا کر فرمایا : "تم کہتے ہو مجھے اس سے عشق ہوگیا ہے اس سے بڑھ کر بھلا اور کیا چاہیئے۔ عاشق و معشوق کو ملانے کا کام "عشق" ہی تو کرتا ہے۔ یہی "تقرب" کا وسیلہ ہوتا ہے۔ شب معراج میں جبریل بھی سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے تھے اور آگے جانے سے انھوں نے بھی معذرت کرلی تھی کیونکہ یہ "قاب قوسینِ اَو ادنیٰ" تک کا فاصلہ "عشق" کے طے کرنے کا تھا محض طاعت و عبادت سے طے نہیں ہوسکتا تھا!"

حاضرین دل ہی دل میں لطف اندوز ہو رہے ہیں کہ حضرت نے کس موقع پر کیا نکتہ پیدا کیا ہے۔

ایک اور صاحب آگے بڑھ کر قدمبوس ہوئے۔ حضرت نے اُن کی طرف دیکھ کر فرمایا : "کیا بات ہے؟ کچھ پریشان نظر آتے ہو"۔

"حضرت۔ میرے والد کا انتقال ہوگیا ہے۔ اسی سبب سے پریشان ہوں۔ وہ میرے باپ تھے اور گھر کے بڑے تھے۔ اب سارا بوجھ مجھ پر آن پڑا ہے۔ اس کے علاوہ میری پریشانی کا سبب یہ ہے کہ مجھے ان کی مغفرت کی فکر ہے کیونکہ وہ دنیادار قسم کے آدمی تھے۔ دنیا کے جھمیلوں میں زیادہ پھنسے رہتے تھے۔ اب خدا جانے ان کے ساتھ وہاں کیا معاملہ ہو"۔

حضرت نے فرمایا : "کیا تمھارے ابا ہمارے مریدوں میں سے تھے؟"

"جی نہیں۔"

"کیا وہ ہمارے سلسلے میں کسی اور سے بیعت تھے؟"

"جی نہیں۔ میرا خیال ہے شاید وہ کسی سے بیعت ہی نہ تھے۔"

"کیا وہ کبھی ہماری خانقاہ میں آیا کرتے تھے؟"

"مجھے تو ایسا دھیان نہیں۔ شاید کبھی یہاں نہ آئے ہوں گے۔"

"کیا انھوں نے کبھی ہمیں دیکھا تھا؟"

"میرا خیال ہے انھوں نے کبھی مخدوم کو دیکھا بھی نہ ہوگا۔"

حضرت نے چند سکنڈ توقف کرنے کے بعد فرمایا: "کیا وہ کبھی غیاث پور سے گذرے تھے؟"

"جی ہاں ادھر سے بارہا گذرے ہوں گے۔"

"اگر وہ ادھر سے گذرے ہیں تو ان شاء اللہ اُن کی مغفرت ہو جائے گی اور ان کے ساتھ اچھا ہی معاملہ ہوگا۔"

خانقاہ کے ایک اور حاضر باش شہر سے آئے ہیں۔ انھوں نے آگے بڑھ کر ادب کے ساتھ نذر پیش کی۔ حضرت نے حسب معمول دریافت فرمایا: "تمھاری حاجت کیا ہے؟"

"حضرت میرے لیے دعا فرمائیے کہ حجِ بیت اللہ نصیب ہو جائے مجھے حج کرنے کی بڑی تمنّا ہے۔"

حضرت نے مسکرا کر فرمایا: "تم جو شہر سے غیاث پور تک آئے ہو اسے کیا حج سے کم سمجھتے ہو؟"

ایک اور صاحب درویش صورت، صوفیانہ لباس میں بیٹھے ہیں۔ اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر خانقاہ کی خیر و برکت، خلائق کا ہجوم اور حضرت کی خدا داد مقبولیت کو دیکھ رہے ہیں اور دل ہی دل میں حیران ہو رہے ہیں۔ یہ پہلے بھی خانقاہ میں دو چار بار آئے تھے اور انھوں نے دیکھا کہ یہاں "توکّل" پر اتنا بڑا کارخانہ چل رہا ہے۔ یہ تو بہت آسان اور سستا نسخہ ہے۔ شہر میں جا کر کسی مسجد میں بیٹھ گئے اور طے کر لیا کہ آج سے میں بھی "توکّل" کروں گا۔ مگر ایک ہفتہ گذر گیا کسی نے ان کی خبر نہیں لی۔ جب فاقوں سے خوب پٹخ گئے تو مسجد سے نکلے اور اب پھر حضرت کی خانقاہ میں آئے ہیں۔ حضرت نے ان کی طرف التفات فرمایا تو کہنے لگے۔ "حضرت، اگر کوئی شخص توکل کر کے بیٹھے اور کوئی اس کی خبر نہ لے تو پھر وہ کیا کرے؟"

حضرت نے فرمایا: "اگر پہلے دن کچھ نہ ملے تو دوسرے روز تک صبر کرے۔"

یہ تو خوب مزہ چکھ چکے تھے۔ عرض کیا: "اگر دوسرے روز بھی معاملہ صاف ہو؟"

تو حضرت نے مسکرا کر فرمایا: "تیسرے دن تک صبر کرے۔"

انھوں نے کہا: "اگر تیسرا دن بھی یوہیں گذر جائے؟"

حضرت نے فرمایا: "تو سمجھ لے کہ اس کا توکّل سچا نہیں ہے کیونکہ جو اللہ پر بھروسا کر کے بیٹھے گا اللہ اس کے عمل کو ضائع نہیں کرے گا۔"

کسی مسکین کے بدن پر پھٹے پرانے کپڑے دیکھ کر حضرت نے خواجہ اقبال کو اشارہ کیا تو وہ اُسے مجلس سے اٹھا کر توشہ خانے کی طرف لے جا رہے ہیں۔

اسی طرح خلق خدا کی دلجوئی و دلداری اور بندگانِ خدا کو راحت رسانی میں دوپہر دِن گذر گیا ہے اور اب خواجہ اقبال حاضرین کو اشارہ کر رہے ہیں کہ مخدوم کے قیلولہ کرنے کا وقت ہے۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے آرام کرنے کے بعد جب سایہ ڈھلنے لگتا تو آپ بیدار ہوتے خواجہ اقبال یا خواجہ مبشّر باہر ہی سے آپ کے بیدار ہونے کی آہٹ پا کر حجرے میں داخل ہوتے۔

آپ دریافت فرماتے: "لالہ کیا دھوپ ڈھل گئی ہے؟"

خواجہ اقبال عرض کرتے: "جی ہاں۔ اذان ہونے ہی والی ہے۔

پھر آپ دریافت فرماتے: "کوئی ملنے والا تو نہیں آیا؟" اگر کوئی ہوتا تو اسے فوراً طلب فرماتے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ایک دن آپ قیلولہ فرما رہے تھے کوئی درویش حضرت سے ملنے آیا۔ آپ کے خادم اخی مبارک نے جو باباصاحبؒ کے غلام تھے اور انھوں نے بی بی فاطمہ کے جہیز میں انھیں دیا تھا اور مولانا بدر اسحق کے انتقال کے بعد وہ بھی بی بی فاطمہ اور ان کے بچوں کے ساتھ حضرت کی خانقاہ میں رہنے لگے تھے ۔ اس درویش کو ڈانٹ کر بھگا دیا اور یہ کہا کہ اس وقت حضرت آرام فرما رہے ہیں۔ آپ نے اسی دن باباصاحب کو خواب میں دیکھا کہ عتاب فرما رہے ہیں کہ

اگر کچھ دینے کو نہ تھی ہو تو حسنِ سلوک تو ہو۔ یہ کہاں کا طریقہ ہے کہ ایک ایسا خستہ دل درویش تمہاری خانقاہ سے ناکام واپس ہو جائے!

اس دن کے بعد سے آپ کا حکم تھا کہ کوئی بھی ملنے والا آئے آپ کو فوراً اطلاع دی جائے خواہ آپ قیلولہ کر رہے ہوں۔[1]

قیلولے سے بیدار ہونے کے بعد آپ وضو کرتے۔ حجرے کے ایک گوشے میں وضو کرنے کی جگہ ایک گز لمبی اور آدھا گز چوڑی بنی ہوئی تھی۔ وضو کرنے کے لیے آپ پہلے بائیں آستین اوپر چڑھاتے اور وضو کے بعد دائیں آستین پہلے اُتارتے۔ وضو کے دوران مسنون دعائیں پڑھتے جاتے۔ جماعت خانے میں سب نمازی صف بستہ آپ کے منتظر ہوتے۔ نماز کے بعد آپ سنتیں پڑھنے کے لیے جگہ بدلتے تو بائیں طرف جگہ لیتے تھے۔ نماز سے فارغ ہو کر ریش مبارک میں کنگھی کرتے۔ پہلے کنگھی سے بھویں درست کرتے، پھر ڈاڑھی میں کنگھی کرتے، اس کے بعد لبوں پر پھیرتے اور زیرِ لب سورۂ الم نشرح پڑھتے جاتے۔ پھر کنگھی کو کپڑے کی ایک تھیلی میں اچھی طرح لپیٹ کر رکھ دیتے۔ نماز کے بعد پھر حجرے میں تشریف فرما ہوتے اور عصر کے وقت تک اس شہنشاہ بے تاج و سریر کا دربار ہوتا جس میں داد و دہش، جود و کرم، بذل و عطا اور لطف و مرحمت کا بازار گرم رہتا۔

---

[1] سیر الاولیاء: ۱۲۹

مغرب کا وقت ہوتا تو آپ سب درویشوں کے ساتھ ایک کھجور اور ایک کوزہ شربت سے روزہ افطار کرتے اور نماز مغرب کے بعد اوپر تشریف لے جاتے۔ کچھ دیر بعد خواجہ عبد الرحیم کھانا لے کر آتے۔ دستر خوان بچھایا جاتا۔ حضرت کے اقربا، سید محمد کرمانی کے بیٹے پوتے، مولانا فخر الدین زرادی، مولانا وجیہہ الدین پایلی، مولانا تاج الدین یار، امیر خسرو اور ان کے چھوٹے بھائی عز الدین علی شاہ، امیر حسن ان کے بھتیجے میر جھجو، بھانجے شمس الدین ماہرو، مولانا حسام الدین حاجی، خواجہ سید محمد امام، خواجہ موسیٰ وغیرہ دستر خوان کے دونوں طرف صف بستہ ہو جاتے۔ یہاں بھی فرق مراتب ملحوظ رکھا جاتا۔ جو لوگ مجعد تھے (یعنی سر پر بال رکھتے تھے) ان حضرات کے مقابلے میں ممتاز جگہ پر نہیں بیٹھ سکتے تھے جو محلوق ہو چکے تھے (یعنی جو سر منڈوا چکے تھے اور ترک دنیا کر چکے تھے)۔

ایک دن دستر خوان بچھا ہوا تھا، مولانا وجیہہ الدین پایلی جو ممتاز عالم اور حضرت کے برگزیدہ خلفاء میں سے تھے آ کر بیٹھ گئے۔ حضرت نے فوراً ٹوکا کہ جس طرح میں یہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی مجعّد (سر پر بال رکھنے والا) کسی عمامہ باندھنے والے (یعنی محلوق) سے بلند جگہ پر بیٹھے، اسی طرح یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ کوئی عمامہ باندھنے والا میرے مخدوم زادوں کے مقابلے میں نمایاں جگہ پر بیٹھ جائے خواہ وہ مخدوم زادہ مجعّد ہی کیوں نہ ہو۔ اس وقت حضرت وجیہہ الدین پایلی نے دیکھا تو خواجہ عزیز الدین

صوفی تشریف فرما تھے۔ یہ حضرت بابا فریدؒ کے پوتے تھے، نوعمر تھے اور سر پر پٹے بال بھی رکھتے تھے۔ انھوں نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے ملفوظات کا ایک مجموعہ بھی "تحفۃ الابرار و کرامۃ الاخیار" کے نام سے ترتیب دیا تھا۔ مولانا پایلی فوراً کھڑے ہو گئے، بے حد معذرت کی اور کہا کہ میں خواجہ عزیز الدین کو پہچانا نہیں تھا۔ یہ سمجھا تھا کہ کوئی نووارد ہیں ورنہ کبھی ہرگز ایسی گستاخی نہ کرتا۔

کبھی دسترخوان بچھ جاتا اور کھانا رکھا رہتا۔ حضرت فرماتے کہ ابھی موسی اور محمد نہیں آئے ہیں ان کا انتظار کرلیں۔ کھانے کے لیے آپ داہنے ہاتھ کی آستین اوپر چڑھا لیتے۔ کھانے میں اوروں کے لیے طرح طرح کی چیزیں ہوتی تھیں مگر خود حضرت آدھی روٹی یا بہت ہوا تو ایک روٹی سبزی سے کھاتے تھے۔ زیادہ تر کریلے آپ کو پسند تھے۔ کبھی تھوڑا سا خشکہ تناول فرما لیتے تھے[۱]۔ سب کا ساتھ دینے کے لیے آپ بہت آہستہ آہستہ کھاتے تھے اور دسترخوان پر حتی الوسع پانی نہیں پیتے تھے۔

کھانے کے دوران ہلکی پھلکی اور پُر لطف باتیں ہوتی رہتی تھیں۔ آپ فرماتے تھے کہ خاموش بیٹھ کر کھانا یہودیوں کا طریقہ ہے۔ مگر جب دسترخوان پر ہوتے تو نہ آپ کسی کو سلام کرتے نہ کسی کے سلام کا جواب دیتے

---

[۱] سیر الاولیاء: ۱۲۴

جب تک سب لوگ کھاتے رہتے آپ کھانے سے دست کش نہ ہوتے۔ اور کبھی کھانے کی قطعاً خواہش نہ ہوتی تو یوہیں ایک لقمہ لے کر پیالے میں لگا کر دیر تک بیٹھے رہتے یہاں تک کہ دوسرے سب ساتھی سیر ہو کر کھالیں۔ کھانے میں اگر کوئی چیز اچھی ہوتی یا حاضرین میں سے کسی پر خصوصی شفقت فرماتے تو پیالہ اس کی طرف بڑھا دیتے تھے[1] کبھی اپنے ہاتھ کا نوالہ کسی کو مرحمت فرما دیتے تھے اور جس پر بھی یہ لطف و کرم ہوتا وہ اسے اپنے لیے دین و دنیا کی سب سے بڑی نعمت سمجھتا تھا۔

کھانے کے بعد جب تک تمام برتن اور دسترخوان بڑھا نہ دیا جاتا آپ اپنی جگہ سے نہ اُٹھتے تھے۔ ہاتھ دھلوانے کے بعد خادم ایک گلوری پیش کرتا تھا جسے آپ نوش فرماتے[2]

اپنے وابستگان، خدام اور جماعت خانے کے درویشوں کے معمولی اعمال پر بھی حضرت کی نگاہ رہتی تھی اور اشاروں میں سب کی تربیت فرماتے رہتے تھے۔ کبھی درشتی سے نصیحت نہ کرتے، نہ کسی غلطی پر فضیحت کرتے تھے مگر فرماتے تھے کہ:

تَعلِیمُنَا اِشَارَۃٌ فَاذِا صَارَ	ہماری تعلیم اشاروں میں ہوتی ہے
کَلَاماً صَارَ جَفَاً	مگر جب وہ عبارت میں آتی ہے
	تو درشت ہوتی ہے۔

---

[1] سیر الاولیاء: ۱۲۵ [2] ایضاً: ۱۴۲

کھانا کھا کر سب حضرات ہاتھ دھو رہے تھے۔ ایک صاحب نے صرف ایک ہاتھ دھویا اور الگ ہو گئے۔ آپ نے فوراً پوچھا: "آپ نے دونوں ہاتھ کیوں نہیں دھوئے؟" انھوں نے کہا کہ مقصود ایک ہاتھ دھونے سے ہی حاصل ہو گیا۔ فرمایا: "ٹھیک ہے مگر ادب کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں ہاتھ دھوئے جائیں۔" پھر ایک حدیث بیان فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جب دو مسلمان بھائی آپس میں ملتے ہیں تو ان کی مثال ایسی ہے جیسے دو ہاتھ ایک دوسرے کو دھوتے ہیں یعنی ایک دوسرے کے کام آتے ہیں۔"

کھانے سے فارغ ہو کر آپ عشا کی نماز ادا کرنے کے لیے نیچے تشریف لاتے تھے اور کبھی کبھی اس وقت بھی کوئی مصیبت کا مارا آنکلتا تھا۔ ایک دن عشا کی نماز پڑھ کر آرام کرنا چاہتے تھے کہ قصبہ سرسادہ کے ایک مولوی صاحب آ گئے۔ نہایت سراسیمہ اور حواس باختہ — رو رو کر اپنا دکھڑا سنایا کہ میرے پاس سرسادہ میں تھوڑی سی معافی تھی جو مجھے شاہی فرمان کی رو سے ملی تھی۔ پچھلے سال گھر میں آگ لگی اور دوسرے سامان کے ساتھ وہ معافی کا فرمان بھی جل گیا۔ بندوبست کے لوگوں نے تنگ کرنا شروع کیا تو میں وہ فرمان دوبارہ لکھوانے کے لیے دہلی آیا۔ آج کل فرمان کی نقل بہت دشواری سے ملتی ہے۔ تقریباً محال ہے۔ میں نے ایک مہینے تک بھاگ دوڑ کر کے یہ فرمان دوبارہ حاصل کر لیا اور ایک رومال میں اچھی طرح لپیٹ کر آستین میں رکھ لیا

تھا۔ جب دہلی سے سرسادہ پہنچا اور آستین ٹٹولی تو معلوم ہوا کہ وہ رومال اور فرمان پھر کہیں کھو گیا ہے۔ پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ سخت پریشان ہوا اور اسی عالم میں جس راستے سے دہلی سے سرسادے تک کا سفر کیا تھا اسی راستے پر چپہ چپہ تلاش کرتا ہوا پھر دہلی آیا۔ دہلی میں آکر بھی راستوں میں پکارتا پھرا کہ بھائیو میرا ایسا ایسا فرمان گم ہو گیا ہے کسی کو ملا ہو تو خدا کے واسطے مجھے دے دو۔ اور اب ایک ہفتہ سے یہی آوازیں لگاتا پھر رہا ہوں۔" یہ کہہ کر مولوی صاحب پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ حضرت نے ان کا یہ سارا قصّہ بہت توجہ سے سُنا۔ پھر مسکرا کر فرمایا: "مولانا۔ اگر تم ایک جیتل کی مٹھائی ہمارے پیر حضرت شیخ الاسلام بابا فریدالدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی نیاز کے لیے لاؤ تو ہم فاتحہ پڑھ کر ان کی روح کو ثواب پہنچائیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی برکت سے تمہارا مقصود حاصل ہو جائے۔"

مولوی صاحب فوراً کھڑے ہو گئے۔ گانو میں زیادہ تر دکانیں بند ہو چکی تھیں۔ ایک حلوائی کی دکان کھلی ہوئی پائی۔ اس سے ایک جیتل کی صابونی (ایک طرح کی کھانڈ کی مٹھائی) خریدی۔

حلوائی نے صابونی تول کر پڑیا باندھنے کے لیے ایک ردّی کاغذ اُٹھایا تو مولانا نے چیخ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ حلوائی بھی ڈر گیا کہ خدا جانے کیا افتاد پڑی۔ انھوں نے گھبرا کر کہا: "ہیں ہیں۔ پھاڑنا مت یہ کاغذ مجھے ایسے ہی دے دو اور مٹھائی میرے دامن میں ڈال دو۔"

اب ایک ہاتھ سے اپنا دامن سنبھالے ہوئے جس میں مٹھائی تھی اور دوسرے ہاتھ میں وہ فرمان لیے ہوئے حضرت کے سامنے آئے۔ آنکھوں سے خوشی کے آنسو جاری تھے۔ حضرت نے دیکھتے ہی فرمایا: "دیکھ تو ہم نے کہا تھا کہ ہمارے پیر کی نیاز دلاؤ تو اس کی برکت سے تمھارا مقصد حاصل ہو جائے گا۔"[1]

عموماً عشا کی نماز سے فارغ ہو کر اوپر جاتے تو خواجہ اقبال آپ کا بستر درست کر دیتے اور آپ پلنگ پر لیٹ جاتے۔ اب تخلیہ ہو جاتا تھا اور سوائے حضرت امیر خسرو یا حضرت کے چند قرابت داروں کے کوئی شخص حضرت کے کمرے میں قدم رکھنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ شہر اور اطراف سے جو لوگ ملاقات کرنے آتے ان میں سے کسی پر خصوصی کرم فرماتے تو اسے تھوڑی دیر کے لیے اس مخصوص مجلس میں بلوا لیتے تھے۔[2]

حضرت امیر خسروؒ آتے تو آپ بڑی شفقت سے فرماتے: "آؤ ترک آؤ۔ سناؤ آج کی کیا خبریں ہیں؟" امیر خسرو دن بھر دربار میں رہتے تھے اس لیے سارے شہر کی اچھی بُری خبریں انھیں ملتی تھیں جو باتیں حضرت کو سنانے کی ہوتیں امیر خسرو اپنے مخصوص شیریں اور دل نشیں انداز میں مزے لے لے کر سُناتے۔ کبھی لطیفے، کبھی حکایتیں، کبھی اشعار۔ کبھی صرف لچھے دار باتیں۔ حضرت کے چہرے پر اس وقت عجب طرح کے انبساط کی تابانی

---

[1] خیر المجالس : ۲۰۳ [2] سیر الاولیاء : ۱۲۵

ہوتی تھی۔ امیر خسرو کی پُر لطف باتوں سے ہلکی ہلکی مسکراہٹ لبوں پر کھیلتی رہتی اور آپ آہستہ آہستہ سر ہلا ہلا کر پسندیدگی کا اظہار فرماتے رہتے[1]

رات کو گیارہ ساڑھے گیارہ بجے کے قریب حضرت امیر خسرو رخصت طلب کرتے تو خواجہ اقبال وضو کے لیے کئی برتنوں میں پانی بھر کر حضرت کی پائنتی کو رکھ دیتے اور چلے جاتے[2] حضرت اپنے ہاتھ سے حجرے کی کنڈی لگا لیتے اور مشغول بحق ہو جاتے۔ یہ خدا ہی جانتا ہے کہ خلوت میں کیا راز و نیاز ہوتے تھے۔ رات کو حضرت دو ڈھائی گھنٹے سے زیادہ نہیں سوتے تھے۔ اس میں بھی قلب جاگتا رہتا تھا اور ذکر کی آواز رات کے سنّاٹے میں گونجتی رہتی تھی۔

اگر حضرت امیر خسرو کبھی دہلی سے باہر چلے جاتے تو رات کا وقت حضرت کے مطالعے کا ہوتا تھا۔ رات کو باریک سے باریک خط میں لکھی ہوئی کتاب بے تکلّف پڑھ لیتے تھے۔ حضرت کی عادت تھی کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے جو بات ذہن میں آتی تھی خواہ وہ مضمون کتاب کی تائید میں ہو یا تردید میں۔ اسے کتاب کے حاشیے پر لکھتے جاتے تھے۔ یہ حواشی عموماً عربی زبان میں ہوتے تھے۔ امیر خورد نے ایسی بہت سی عبارتیں سیر الاولیاء میں جا بجا نقل کر دی ہیں۔ یہ سب ان کتابوں سے ماخوذ ہیں جو حضرت کے زیرِ مطالعہ رہی تھیں اور سیر الاولیاء کی تالیف کے وقت تک

---

[1] سیر الاولیاء : ۱۲۵ [2] ایضاً : ۱۲۶

خانقاہ کے بچے کھچے کتب خانے میں موجود تھیں۔

کبھی آپ، مولف سیر الاولیاء کے چچا سید خاموش کو بلوا بھیجتے اور اور ان سے نظامی گنجوی کا خمسہ سُنا کرتے تھے۔ حضرت کی قدمبوسی کے لیے جو لوگ شہر سے آتے تھے اور ان کی تعداد خاصی ہوتی تھی، ان کے لیے نماز مغرب کے بعد شہر کو واپس جانا ممکن نہ ہوتا تھا کیونکہ راستے خراب، تاریک اور پُرخطر تھے۔ ایسے لوگوں کی خاصی تعداد خانقاہ ہی میں رہ جاتی۔ مخصوص حضرات کے لیے سید محمد کرمانی اور ان کے بیٹوں کے گھر میں کھانے اور سونے کا انتظام رہتا تھا۔ انہیں قاضی محی الدین کاشانی، مولانا حسام الدین، مولانا بدر الدین، مولانا حجۃ الدین، مولانا علاء الدین نیلی وغیرہ اسی طرح رات گذارتے تھے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ عشا کی نماز کے بعد سید خاموش کے مکان پر محفل سماع جم جاتی اور رات گئے تک وجد و حال اور ذوق و شوق کا پُرکیف سماں بندھا رہتا۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کا دوسرا مکان خانقاہ سے تقریباً ڈیڑھ میل دور جمنا کے کنارے، کیلوکھڑی کی جامع مسجد کے سامنے تھا۔[1] یہ چھوٹا سا مگر صاف ستھرا گھر تھا۔ کبھی آپ جمعرات کو نمازِ عصر کے بعد کیلوکھڑی والے مکان میں چلے جاتے تھے اور وہیں روزہ افطار کرتے تھے۔ حمید قلندر جامع خیر المجالس نے اپنا واقعہ اسی مکان کا

---

[1] خیر المجالس : ۱۱

لکھا ہے۔ ورنہ معمول یہ تھا کہ جمعہ کو فجر کی نماز کے بعد تلاوت اور اوراد و وظائف سے فارغ ہو کر سب سے پہلے "تجرید" کرتے[1] یعنی خانقاہ میں جو کچھ کھانے پینے کا سامان ہوتا سب فقراء میں بانٹ کر گوداموں میں جھاڑو دلوا دیتے پھر ۸-۹ بجے کے قریب اشراق کی نماز پڑھ کر روانہ ہوتے۔ خط بنوانے اور ناخن ترشوانے کے لیے جمعرات کا دن مقرر تھا۔ جمعہ کو نماز سے پہلے غسل فرماتے، نیا لباس زیب تن فرماتے، خوشبو اور سرمہ لگاتے اور پھر سنگھاسن میں بیٹھ کر کیلوکھیڑی کی جامع مسجد میں تشریف لاتے۔ یہ خاصی بڑی اور خوبصورت مسجد تھی۔ اس کا صحن بہت وسیع تھا۔ اپنے نقشے اور رقبہ میں بدایوں کی جامع التمش سے مشابہ تھی۔ اس کے بیرونی دروں کے اوپر محراب نما کنگرے بنے ہوئے تھے۔ ان کنگروں پر سنہری روغن کیا گیا تھا۔ جب سورج بلند ہوتا اور ان کنگروں پر شعاعیں پڑتیں تو یہ ایسے جگر جگر کرتے تھے کہ ان پر نگاہ ٹھہر نہیں سکتی تھی۔ مسجد کے دو دروازے تھے۔ ایک شمال مشرقی کونے میں جمنا کے قریب تھا دوسرا جنوب مغرب میں تھا۔ ہمارے حضرت جنوبی دروازے سے تشریف لایا کرتے تھے اور آپ کی نماز پڑھنے کی جگہ بھی دروازۂ جنوب کے پاس بائیں طرف مخصوص تھی[2] خواجہ ابوبکر آپ کا مصلیٰ لے کر پہلے ہی مسجد میں آجاتے تھے اور مصلیٰ بچھا کر ایک طرف بیٹھے وظیفہ پڑھتے رہتے تھے۔

---

[1] سیر الاولیاء : ۱۳۱ [2] ایضاً : ۱۳۷

مسجد میں نماز کے بعد سارا مجمع آپ کی قدمبوسی کے لیے ٹوٹ پڑتا تھا اور نماز ختم ہونے سے ڈیڑھ دو گھنٹہ کے بعد آپ مسجد سے باہر تشریف لاسکتے تھے۔ ایک بار امیر حسن علاء سجزی دہلوی (جامع فوائد الفواد) بھی اس بھیڑ میں گھس کر قدمبوس ہوئے تو آپ نے فرمایا: "جو لوگ ہماری خانقاہ کے حاضر باش ہیں وہ یہاں مسجد میں ملنے کی کوشش نہ کیا کریں"۔

ابتدائی زمانے میں جب آپ کی معاش تنگ تھی اور فتوح زیادہ نہیں تھی۔ آپ جمعہ کی نماز کے بعد پیادہ پا خانقاہ کو واپس ہوتے تھے اور ساڑھے تین چار بجے تک وہاں پہنچتے تھے۔ پھر شیخ نور الدین ملک یاریراں کے ایک مرید نے ایک گھوڑی ہدیہ کر دی[1] تو آپ سوار ہو کر آتے تھے۔ بڑھاپے میں جب گھوڑی کی سواری کرنے کی طاقت نہیں رہ گئی تھی تو محافہ یا سنگھاسن میں تشریف لاتے تھے۔ محافے کے پیچھے خدام اور مریدین کی بہت بڑی تعداد چلتی تھی۔

خانقاہ میں نماز عصر کے بعد مغرب تک بے تکلّف محفل ہوتی تھی جس میں مؤلّف سیر الاولیاء کے چچا قطب الدین حسین کرمانی جو حضرت کے منھ بولے بیٹے بھی تھے اپنی پُر لطف باتوں سے حضرت کو محظوظ کرتے تھے۔ دوسرے علماء، مشائخ، امراء اور ملوک ادب سے بیٹھے سنا کرتے اور دل ہی دل میں لطف اندوز ہوتے تھے۔ کبھی خواجہ موسیٰ موجود ہوتے۔ انھیں

---

[1] خیر المجالس: ۱۲۵ - سیر الاولیاء: ۱۴۴

تیر اندازی، تیراکی اور پہلوانی کا شوق تھا۔ حضرت ان سے کشتی کے داؤ پیچ کی باتیں کرتے اور خود بھی اُس کے گُر بتاتے تھے۔ اسی طرح ہر علم و فن کے آدمی سے اس کے مذاق اور سطح ادراک کے مطابق گفتگو کرتے تھے اور ایسے میٹھے اور معصوم لہجے میں سوالات کرتے تھے جیسے حضرت خود اس مسئلے یا فن کو اُس سے سیکھنا چاہ رہے ہیں۔

ظاہری زندگی تو حضرت کی یہ تھی۔ کوئی جاگیر یا منصب نہیں تھا۔ کوئی مستقل آمدنی، کوئی دنیا کا عہدہ، کوئی باغ، کھیت، دکان، تجارت کچھ نہیں۔ پھر بھی ہر طرح کا باطنی فراغ نصیب تھا اور اس زمانے کے بڑے بڑے امراء بلکہ شہنشاہوں سے بھی زیادہ نصیب تھا۔ مگر اس کو نہ دیکھیے۔ اقبال نے کہا ہے:

کم نظر بے تابیٔ جانم ندید
آشکارم دید و پنہانم ندید

خواجہ عزیز الدین نام کے ایک بزرگ حضرت بابا صاحبؒ کے مرید تھے اور کسی سرکاری دفتر میں کلرک تھے۔ وہ ایک بار شہر میں کسی دعوت میں گئے اور واپسی عصر کے وقت ہوئی۔ حضرت نظام الدینؒ نے پوچھا: "کہاں رہے؟" کہنے لگے ایک جگہ دعوت میں گیا تھا وہاں کچھ باتیں چھڑ گئیں کچھ لوگ کہتے تھے کہ حضرت نظام الدین کے باطنی فراغ کو دیکھ کر رشک آتا ہے انھیں اس دنیا کا کوئی غم نہیں۔ حضرت نے سُنا اور آبدیدہ ہو گئے۔ فرمانے لگے:

"آن قدر غم واندوہ کہ مراست ہیچ کس را درین جہان نیست زیرا کہ چندین خلق می آیند وغم واندوہ خویش می گویند ہمہ بر دل وجان من می نشینند[۱]"

مجھے جتنا غم واندوہ ہے اتنا تو اس دنیا میں کسی کو بھی نہ ہوگا کیونکہ اللہ کی اتنی مخلوق میرے پاس آتی ہے اور اپنی اپنی بپتا مجھے سناتی ہے وہ سب میرے دل و جان میں پیوست ہو جاتی ہے۔

خواجہ حمید الدین سوالی ناگوری کے پوتے شیخ فرید الدین ناگوری کو آپ نے ایک بار خط میں یہ جملہ لکھا تھا:

"احوال ظاہر ہر کرا کتابت بکند واحوال باطن چناں است کہ بر دوستاں تواں نوشت[۲]"

اپنا ظاہری حال ہر ایک کو لکھ دیتا ہوں مگر باطن کی کیفیت ایسی ہے کہ بس صرف دوستوں ہی کو لکھی جا سکتی ہے۔

"دوستوں" سے مراد یہی ہے کہ جو راہ سلوک کے رہرو اور طریقِ درویشی کے شناسا ہوں اور جنھیں درد کی دولت سے حصہ ملا ہو۔ انھیں شیخ فرید الدین نے دہلی آکر یہاں سے اپنے بھائی شیخ نجیب الدین ابراہیم کو لکھا تھا:

۱؎ خیر المجالس: ۱۰۵

۲؎ سرور الصدور (قلمی نسخہ علی گڑھ)

"مرد صاحب درد در جملۂ دہلی جز او را نیافتم او صل اللہ برکاۃ انفاسہ الی کافۃ المسلمین"[1]

ساری دہلی میں ان کے سوا کوئی "صاحب درد" انسان مجھے نہیں ملا۔ اللہ تعالیٰ ان کے مبارک انفاس کی برکت تمام مسلمانوں میں عام کرے۔

ایک بار غیاث پور میں آگ لگ گئی۔ مئی یا جون کا مہینا تھا۔ دوپہر کا وقت اور چلچلاتی دھوپ۔ آپ کو خبر ملی تو اپنی خانقاہ کی تیسری منزل پر چڑھ گئے اور غریبوں کے چھپروں کو شعلوں کی لپیٹ میں آکر بھڑکتے ہوئے دیر تک دیکھتے رہے۔ آگ کی تپش اور دھوپ کی تمازت سے آپ کا چہرۂ مبارک بھی انگارے کی طرح دہکتا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ کئی گھنٹے تک اسی عالم میں یہ منظر دیکھتے رہے اور نہایت افسردہ و رنجیدہ ہو کر نیچے اس وقت اُترے جب آگ کے شعلے بیٹھنے لگے۔ اپنے خادم خواجہ اقبال کو بلا کر فرمایا: "لالا۔ گانو میں جا کر جلنے والے گھروں کی گنتی کرو۔ ہر گھر والے کو چاندی کا ایک تنکہ، ایک صراحی ٹھنڈا پانی اور دو دو روٹیاں بھجواؤ۔"

جب خواجہ اقبال، خواجہ مبشّر، اتو، اور خانقاہ کے دوسرے لوگ خوان سروں پر لیے ہوئے ایک ایک کے گھر پہنچے ہیں تو حضرت کا بھیجا ہوا عطیّہ سر پر رکھ کر لوگ فرط جذبات سے رونے لگتے تھے۔ اس زمانے

---

[1] مکتوبات شیخ فرید الدین ناگوری (قلمی نسخہ علی گڑھ)

میں چاندی کا ایک تنکہ اتنی قیمت رکھتا تھا کہ اس سے کئی چھپر ڈلوائے جا سکتے تھے۔

ایک دن کہیں سے پیادہ پا تشریف لا رہے تھے۔ راستے میں ایک عورت کو دیکھا کہ جمنا کے کنارے ایک کنوئیں سے پانی کھینچ رہی ہے۔ فرمانے لگے: "اری جمنا کا پانی کیوں نہیں پیتی جو کنوئیں سے بھر رہی ہے؟" اس نے کہا: "میرا گھر والا بہت غریب آدمی ہے۔ ہمارا خرچ مشکل سے پورا ہوتا ہے اور جمنا کا پانی بھوک زیادہ لگاتا ہے اس لیے ہم نہیں پیتے۔" آپ یہ جواب سنکر بے چین ہو گئے۔ آنکھوں میں آنسو لیے ہوئے اپنی خانقاہ میں آئے اور خادم کو بلا کر فرمایا: "دیکھو غیاث پور میں فلاں عورت ہے اس کے گھر کا پتا پوچھ کر جاؤ اور اس سے معلوم کرو کہ ماہانہ خرچ میں کتنا گھاٹا رہتا ہے اور اسے اتنا خرچ ہماری خانقاہ سے ہر مہینے دیا کرو۔ اس سے کہہ دینا کہ آج سے وہ جمنا کا پانی پیا کرے[1]۔"

حضرت فرماتے تھے کہ مجھے عالم واقعہ میں ایک کتاب دی گئی تھی جس میں لکھا تھا کہ "جہاں تک بن پڑے دلوں کو راحت پہنچاؤ کیونکہ مومن کا دل اسرار ربانی کا محل ہوتا ہے[2]۔"

---

[1] جوامع الکلم (قلمی)

[2] سیر الاولیاء: ۱۲۸

۴۔ آخری زمانہ اور وفات

۷۲۵ھ کے آغاز یعنی دسمبر ۱۳۲۵ء میں آپ کا مرض الموت شروع ہوا۔ ایک جمعہ کو آپ نماز ادا کرنے کے لیے جامع مسجد کیلوکھڑی تشریف لے گئے تو نماز میں متعدد بار سجدے کیے اور اسی دن سے استغراق کی کیفیت میں اضافہ ہونے لگا۔ سیر الاولیاء سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو خلہ کی بیماری ہوئی تھی۔ میں اس بیماری کی نوعیت سمجھنے سے قاصر ہوں۔ بعض بیماریاں پہلے کثرت سے ہوتی تھیں اور اب بعض علاقوں سے ناپید ہو چکی ہیں مثلاً عہد سلطنت میں شمالی ہندستان خصوصاً دہلی میں نارو کی بیماری عام تھی۔ یہ اب شمالی ہند میں نہیں ہے مگر کیرالا کی طرف اس کے مریض آج بھی کثرت سے ملتے ہیں۔ ایسی ہی کوئی بیماری خلہ بھی تھی۔ بابا صاحبؒ کو بھی آخر عمر میں یہی مرض ہوا تھا۔[1] چونکہ سیر الاولیاء میں یہ کہا گیا ہے کہ حضرت کی بھوک بند ہو گئی تھی اور بول و براز بھی نہیں ہوتا تھا اس سے پروفیسر محمد حبیب مرحوم نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ غدہ مذی PROSTAT GLAND کی بیماری تھی لیکن اس مرض کی جو علامات بیان ہوئی ہیں وہ یہ ہیں کہ سارے بدن میں سوئیاں سی چبھتی ہوئی محسوس ہوتی تھیں اور غدۂ مذی کے ورم میں ایسا نہیں ہوتا بلکہ بلڈ پوریا ہو جاتا ہے اور مریض زیادہ عرصے تک

---

[1] سیر الاولیاء: ۸۹

جی نہیں سکتا۔ پھر یہی بیماری حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز ؒ کو ۲۰ سال کی عمر میں ہوئی تھی۔ ورم غدہ مذی کا چالیس پچاس سال کی عمر سے پہلے امکان نہیں ہوتا عموماً ساٹھ سے تجاوز کرنے کے بعد یہ شکایت ہوتی ہے۔ اُس زمانے میں اطباے یونانی کے پاس خلہ کا علاج "روغن خشت" تھا جس کی مالش کر کے سینکا جاتا تھا۔

کثرت ریاضت و مجاہدات، قلّت طعام اور خواب و خور میں غیر معمولی کمی کے سبب سے حضرت خاصے ضعیف ہو گئے تھے اور سنِ شریف بھی اسّی سے تجاوز کر چکا تھا اُس وقت یہ خلہ کی بیماری حجاب ظاہری کے درمیان سے اُٹھنے کا ایک بہانہ بن گئی۔

اس بیماری کے زمانے میں ایک دن شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی ؒ کے پوتے شیخ رکن الدین ملتانی ؒ (متوفی ۷۳۵ھ) عیادت کے لیے تشریف لائے۔ حضرت خواجہ نظام الدین ضعف اور نقاہت کی وجہ سے تعظیم کو نہیں اُٹھ سکے۔ ان سے پلنگ پر بیٹھے بیٹھے مصافحہ کیا[1] اور فرمایا آپ یہیں میرے پاس چارپائی پر بیٹھ جائیے۔ حضرت رکن الدین نیچے فرش پر بیٹھنا چاہتے تھے، حضرت نے اپنے پاس بٹھانے پر اصرار کیا۔ آخر انھوں نے کہا۔ "حضرت اس چارپائی پر بیٹھنے کی طاقت اس فقیر میں نہیں ہے۔" اب حضرت نے اشارہ کیا اور خدّام نیچے سے

---

[1] سیر الاولیاء: ۱۴۰

کر سی لے آئے۔ وہ چارپائی کے پاس بچھا دی گئی۔ حضرت رکن الدین ملتانی نے کرسی پر تشریف رکھتے ہوئے مزاج پرسی کے بعد کہا: "انبیاء اور اولیاء اللہ کو حیات و موت کے درمیان اختیار دیا جاتا ہے۔ اگر آپ بھی چند روز توقف فرمائیں تو خلق خدا کو بہت فائدہ پہنچے گا اور آپ کے ارشاد و ہدایت کے صدقے میں کتنے ہی ناقص درجۂ کمال پر فائز ہو جائیں گے۔"

حضرت نظام الدینؒ نے نحیف و نزار آواز میں فرمایا: "اشتیاق دوست ایسا غالب ہے کہ جو چند گھڑیاں زندگی کی باقی ہیں ان کا گذارنا بھی دشوار ہو رہا ہے۔ آج کل ہر شب کو حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عالم معاملہ میں دیکھتا ہوں کہ وہ میری طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں: "نظام اشتیاق تو مرا بیشتر است زود بیا و در کنف ما بیاسا۔" (نظام مجھے تم سے ملنے کا بہت اشتیاق ہے جلدی آؤ اور ہمارے پہلو میں آرام کرو)۔

حضرت کی زبان مبارک سے یہ باتیں سن کر شیخ رکن الدین ملتانیؒ اور دوسرے سب حاضرین پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ اسی عالم میں حضرت ملتانی نے فرمایا کہ "ہمیں کچھ وصیت فرمائیے۔" حضرت نظام الدین نے کہا: "پیرانِ چشت میں سے ایک نے یہ وصیت کی تھی کہ موت کے بعد میرے جنازے کے سامنے سماع کیا جائے پھر مجھے دفن کریں۔ میں بھی یہی وصیت کرتا ہوں کہ میرے جنازے کی نماز آپ پڑھائیں اور

قوّال میرے جنازے کے آگے آگے سماع کہیں۔"

انتقال سے کوئی چھ ماہ پہلے حضرت کا استغراق بھی بہت بڑھ گیا تھا اور معمولات میں بے قاعدگی ہونے لگی تھی۔ کوئی چیز کھانے کے لیے پیش کی جاتی اور آپ تناول فرما لیتے مگر اسی وقت بھول جاتے تھے کہ کیا کھایا ہے۔ کوئی بات کہہ کر یاد نہیں رہتا تھا کہ کیا کہا ہے۔ مگر اس زمانے میں بھی جب تعلیم و تلقین کی نوبت آتی، سلوک و تصوّف کا کوئی نکتہ بیان فرماتے یا کسی دینی مسئلے کی وضاحت کرتے یا کسی آیۃ اور حدیث کے معنی بیان کرنے لگتے تو حافظہ بالکل ٹھیک کام کرتا تھا اور نہایت مربوط اور پُر مغز گفتگو فرماتے تھے۔ البتّہ امورِ بشری کی تکمیل کے وقت استغراق کا اندازہ ہوتا تھا[1]

انتقال سے تین ماہ اور ستائیس دن قبل ٨ر دسمبر ١٣٢٤ء کو ہفتے کے دن حضرت نصیر الدین چراغ دہلی، مولانا فخر الدین زرادی سید حسین کرمانی اور امیر خسرو نے بیٹھ کر مشورہ کیا کہ اب حضرت کا آخری وقت آ پہنچا ہے اور آپ اس دنیا سے جلد ہی پردہ فرمانے والے ہیں مناسب ہوگا کہ حضرت کی خلافت اور جانشینی کے لیے مرضی معلوم کر لی جائے اور جو لوگ اس کے اہل ہو سکتے ہیں اُن کے ناموں کی ایک فہرست بنا کر حضرت کے ملاحظے میں پیش کر دی جائے۔ یہ کام امیر خسرو کے

---

[1] جوامع الکلم (قلمی)

سپرد ہوا۔ انھوں ایک کاغذ پر ۳۲ نام لکھے۔ یہ سب وہ لوگ تھے جو علم و فضل، زہد و ورع اور عشق و ذوق کی نعمت سے فیض یاب تھے۔ مناسب وقت دیکھ کر حضرت امیر خسرو نے وہ فہرست ملاحظے سے گذاری۔ آپ نے کاغذ پر ایک نظر ڈال کر فرمایا: "اتنا بڑا طومار کیوں لکھ لائے!" امیر خسرو نے فوراً پرچہ لے لیا اور اس فہرست میں کاٹ چھانٹ کر کے دوسری مختصر فہرست تیار کی جس میں چند نام تھے۔ یہ فہرست حضرت کے ملاحظے میں پیش کی گئی تو مولانا اخی سراج کا نام دیکھ کر حضرت نے فرمایا: "اس کام (خلافت) میں علم پہلی شرط ہے"۔

اس کے بعد ہی خاصی پختہ عمر میں حضرت اخی سراج نے پڑھنا شروع کیا تھا اور ان کی خاطر مولانا فخر الدین زرّادی نے کتاب "تصریف عثمانی" تالیف کی تھی۔

غرض وہ فہرست ایک نظر دیکھ کر حضرت نے واپس کر دی اور سید حسین کرمانی سے کہا کہ ان لوگوں کے لیے خلافت نامے لکھ دو۔ مولانا فخر الدین زرّادی بڑے عالم فاضل اور عربی و فارسی انشاء کے ماہر تھے خانقاہ کے دروازے کے سامنے ہی انھوں نے مکان لے رکھا تھا اس لیے ہمہ وقت کے حاضر باش اور دل و جان سے اپنے شیخ کے پرستار تھے انھوں نے خلافت ناموں کا مسوّدہ عربی میں تیار کیا اور سید حسین نے انھیں نہایت خوش خط لکھا۔ پھر وہ خلافت نامے حضرت کی خدمت میں پیش ہوئے۔ آپ نے ایک خلافت نامے

کا مضمون پڑھا اور اُسے واپس کرتے ہوئے سید حسین سے فرمایا کہ اس کے آخر میں بحیثیت کاتب اپنا نام لکھو۔ یہ ضروری ہے میرے شیخ حضرت بابا فرید نے جب کچھ مریدوں کو خلافت نامے دینے کا ارادہ کیا تو مولانا بدرالدین اسحٰق کو فرمان ہوا کہ ان عزیزوں کے لیے خلافت نامے لکھ دو۔ ایک پُرانے مرید تھے جنھیں خلافت نہیں دی گئی تھی اُنھوں نے کہنا شروع کیا کہ میں اتنے دنوں سے خونِ جگر پی رہا ہوں شیخ نے مجھے خلافت نہیں دی۔ اب میں اپنے لیے یہ کاغذ کا پرزہ خود ہی لکھ لوں گا۔ شیخ سے کسی نے یہ بات کہہ دی تو انھوں نے مولانا بدر اسحٰق کو حکم دیا کہ لوگوں کو تم جو خلافت نامے لکھ کر دیتے ہو ان کے آخر میں بحیثیت کاتب اپنا نام لکھ دیا کرو تاکہ کسی کو جعل سازی کرنے کی جرأت نہ ہو۔"

سید حسین نے حضرت کا یہ ارشاد سُن کر خلافت ناموں کے آخر میں اپنا نام لکھ دیا۔ اب حضرت نے ان پر دستخط فرمائے اور یہ الفاظ لکھے:

من الفقیر محمد بن أحمد بن علی البداؤنی البخاری

یہ سب لوگ جن کو خلافت دی گئی تھی اُس وقت مجلس میں حاضر تھے اور اپنی اپنی جگہ بیٹھے تھے حضرت نے ایک ایک کو اپنے دستِ مبارک سے خلافت نامہ عطا فرمایا اور خلعت خاص بھی سب کو مرحمت ہوا۔ جسے خلافت نامہ دیتے تھے اسے مختصر لفظوں میں کچھ وصیت بھی فرماتے جاتے تھے۔ مولانا علاء الدین نیلی اور مولانا شمس الدین یحییٰ کے

خلافت نامے بچ رہے کیونکہ یہ دونوں اس وقت اودھ میں تھے۔ وہ حضرت نے شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کو دیے اور فرمایا کہ انھیں اُن دونوں کے پاس بھجوا دینا۔"

انتقال سے ایک دو ماہ پہلے ایک دن حضرت کے مرید علی بن محمود جاندار حاضر ہوئے تو حضرت نے فرمایا: "آخر کیا سبب ہے لوگ میرے پاس قوالوں کو کیوں نہیں آنے دیتے۔" علی بن محمود نے عرض کیا "بیماری کے سبب مخدوم کو بہت ضعف ہو گیا ہے اس لیے قوالوں کو روک دیا جاتا ہے کہیں سماع سے ضعف اور نہ بڑھ جائے۔" حضرت نے فرمایا: "سماع کے وقت میرے اندر اتنی قوت ہوتی ہے جتنی اور کسی وقت نہیں ہوتی۔"

اس زمانے میں آپ اکثر حضرت شیخ سیف الدین باخرزیؒ کا یہ شعر پڑھتے تھے:

خیر بادا گفتم اے جاں گرچہ نیست
جان خود را گفتن آساں خیر باد

کبھی غفلت سی طاری ہو جاتی۔ کچھ دیر خاموش رہ کر چونکتے اور یہ مصرع زبان مبارک پر جاری ہوتا:

می رویم و می رویم و می رویم!

اس زمانے میں خانقاہ میں تل دھرنے کو جگہ نہیں تھی۔ ہزاروں عقیدت مند دور دور سے حضرت کی زیارت کرنے کو آتے تھے۔

خانقاہ کے خدام انھیں ۵ - ۱۰ کی ٹولیوں میں حضرت کی قدمبوسی کے لیے بھیجتے۔ ان میں سے اکثر عقیدت مند روپیہ یا غلّہ یا روٹیاں سات بار حضرت کے اوپر سے اُتار کر لاتے اور صدقہ کر دیتے۔ خیرات و صدقات کی کثرت کے باعث خانقاہ کے باہر بہت سے فقراء اور مساکین جمع ہو گئے تھے۔ علی بن محمود اپنے غلام کو لے کر آئے جس کا نام شادی تھا اور حضرت پر صدقہ کر کے اُسے آزاد کر دیا۔[1]

۸ ربیع الاول ۷۲۵ھ (مطابق ۲۲ فروری ۱۳۲۵ء) کو جمعہ تھا۔ استغراق اور تحیر کا غلبہ پہلے سے بھی زیادہ ہو گیا۔ کھانا پینا اور بولنا بالکل ترک کر دیا تھا۔ ایک دن آپ کے خادم اخی مبارک نے سوّیوں کا پانی پیش کیا اور دوسرے خدام نے بھی اصرار کیا کہ آپ نے کئی دن سے کچھ کھایا نہیں ہے، اس کے دو تین چمچے پی لیجیے۔ آپ نے دریافت فرمایا: کیا ہے؟ عرض کیا: سوّیوں کا پانی ہے۔ فرمایا: ادھر نالی میں پھینک دو۔"

کسی وقت عالم استغراق سے باہر آتے تو صرف یہ فرماتے:
کیا نماز کا وقت ہو گیا؟ میں نے نماز پڑھ لی؟
کوئی کہتا: جی ہاں ابھی تھوڑی دیر پہلے آپ نے نماز پڑھ لی تھی۔
فرماتے: خیر ایک بار اور پڑھ لوں۔[2]

---

[1] درر نظامی: ۲۰۸ [2] سیر الاولیاء: ۱۵۳

اس طرح ہر نماز کو دو، دو تین تین بار ادا فرماتے۔ کوئی دن بھی ہوتا، فرماتے: "آج جمعہ ہے۔ دوست کو اپنا وعدہ یاد کرنا چاہیے!" پھر فرماتے: می رویم و می رویم و می رویم۔

اب انتقال فرمانے میں ایک ہفتہ باقی تھا — اپنے سب عزیزوں اور خدمت گاروں کو طلب فرمایا۔ سب آکر دست بستہ کھڑے ہو گئے۔ خواجہ اقبال حضرت کی پائنتی کو کھڑے تھے ان کی طرف اشارہ کر کے حاضرین سے فرمایا: "تم سب گواہ رہنا اگر اس نے کوئی چیز خانقاہ میں بچا کر رکھی تو کل خدا کے سامنے جوابدہ ہوگا۔"

خواجہ اقبال نے عرض کیا: "آپ اطمینان رکھیے میں کچھ بچا کر نہیں رکھوں گا۔ سب کچھ حضرت پر صدقہ کر دوں گا۔" یہ کہہ کر خواجہ اقبال فوراً گئے اور چند بوریاں آٹے کی درویشوں کے کھانے کے لیے روک کر سب سامان محتاجوں میں تقسیم کر دیا۔ سید حسین کرمانی نے حضرت کو آکر بتایا کہ خانقاہ میں جو کچھ تھا سب فقراء میں تقسیم کر دیا گیا ہے صرف چند روز کے خرچ کا آٹا روک لیا ہے۔ یہ سن کر حضرت کے چہرے پر غصّے کے آثار ظاہر ہوئے۔ فرمایا: "لالا کو بلاؤ۔" خواجہ اقبال بھاگے بھاگے آئے تو حضرت نے فرمایا: "لالا۔ تم نے یہ آٹا کیوں روک لیا؟" اقبال نے کہا: "خانقاہ میں جو کچھ تھا سب خیرات کر دیا صرف چند روز کے خرچ کا غلّہ اس لیے روک لیا ہے کہ ان ہزاروں بندوں کو کھلانے کے لیے میرے پاس کچھ نہیں ہے۔" حضرت نے ناگواری کے

لہجے میں فرمایا: "اُن بندوں کو میرے پاس بھیجو۔" خانقاہ کے سیکڑوں افراد ہر طرف سے آ کر جمع ہو گئے۔ حجرے اور صحن کا چپّہ چپّہ آدمیوں سے بھر گیا۔ حضرت نے نحیف و نزار آواز میں انھیں حکم دیا: "تم سب لوگ جاؤ اور گوداموں کے تالے توڑ کر غلّہ لوٹ لو۔"

آناً فاناً ہزاروں آدمیوں نے سب غلّہ وغیرہ لوٹ لیا اور دیکھتے دیکھتے گوداموں میں جھاڑو دے کر ایسا کر دیا جیسے یہاں کبھی ایک دانہ بھی نہیں تھا۔

مؤلّف سیر الاولیاء کے نانا خواجہ شمس الدین دامغانی جو حضرت کے ہم درس بھی رہ چکے تھے، کہنے لگے کہ بہت سے عقیدت مندوں نے پُرتکلّف اور عالی شان مقبرے بنوا رکھے ہیں تاکہ ان میں سے کسی عمارت کو حضرت کا روضہ بننے کی سعادت نصیب ہو جائے، آپ اس بارے میں کیا وصیت فرماتے ہیں؟"

حضرت نے کہا: "مولانا میں کسی کی عمارت کے نیچے سونے والا نہیں، میں تو صحرا میں سوؤں گا۔"

۱۷ ربیع الثانی ۷۲۵ھ مطابق ۲ اپریل ۱۳۲۵ء کو بدھ کے دن صبح سات بجے کے قریب آپ فی مَقعَدِ صِدقٍ عِندَ مَلیکٍ مُقتَدِر کے مصداق رحمتِ بیکراں کے آغوش میں آسودہ ہوئے۔ یہ اس حیات ظاہری کے عارضی دور کا خاتمہ اور اس حیات ابدی کا آغاز تھا جس کا دامن ابد سے بندھا ہوا ہے۔

نماز ظہر کے بعد آپ کی نمازِ جنازہ جامع مسجد کیلوکھڑی کے میدان میں حضرت شیخ رکن الدین ملتانیؒ نے پڑھائی اور بعد کو وہ اس شرف پر فخر کیا کرتے تھے۔ نماز جنازہ پڑھانے کے بعد انھوں نے حاضرین سے کہا کہ آج مجھے معلوم ہوا کہ مجھے چار سال سے دہلی میں کیوں رکھا گیا تھا یہ عزت میرے نصیب میں تھی کہ حضرت سلطان المشائخ کے جنازے کی امامت کروں۔ حضرت شیخ رکن الدین ملتانی کو قطب الدین مبارک خلجی نے ملتان سے بلوایا تھا اور اس کی نیت یہ تھی کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے اثر و رسوخ کو کم کیا جائے لیکن قطب الدین مبارک کو خسرو خاں نے قتل کر دیا اور شیخ رکن الدین ملتانی خسرو خاں کے محل کے زینے سے پھسل کر گر پڑے جس کی وجہ سے ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی اور چہرۂ مبارک پر بھی زخم آئے تھے۔ اس معذوری کی وجہ سے چار سال تک دہلی سے ملتان واپس نہیں جا سکے[1]۔ حاضرین میں سے کسی نے شیخ رکن الدین ملتانیؒ کو یاد دلایا کہ شیخ نے وصیت کی تھی کہ میرے جنازے پر سماع کیا جائے پھر مجھے دفن کریں۔ لیکن شیخ رکن الدین ملتانیؒ نے یہ کہہ کر روک دیا کہ اگر سماع ہوا تو شیخ رقص کرنے لگیں گے اور عالم میں فتنہ برپا ہو جائے گا۔

جنازے کے ساتھ حضرت کے ہزاروں مرید اور عقیدت مند،

---

[1] سرور الصدور (قلمی) نسخہ علی گڑھ

جماعت خانے کے درویش، غیاث پور اور کیلوکھڑی کے فقراء، مساکین اور آس پاس کے دیہات کے باشندے، شہر سے آئے ہوئے ہزاروں عقیدت مند، امراء، علماء، مشائخ اور شہزادے موجود تھے۔ خود محمد بن تغلق جو چند ماہ پہلے ہی تخت نشین ہوا تھا، شہر سے گھوڑے پر بیٹھ کر آیا اور کچھ فاصلے پر سواری چھوڑ کر جنازے کے جلوس میں شامل ہوا اور دیر تک جنازے کو کندھا دیا۔ مسالک الابصار کا مصنّف بھی اس جلوس میں موجود تھا۔ جب حضرت کا جنازہ تدفین کے لیے روضے کی جانب آرہا تھا۔ راستے میں کوئی دیہاتی عورت بڑی درد بھری آواز میں کچھ گا رہی تھی۔ شیخ رکن الدین نے آگے بڑھ کر اُسے بھی گانے سے روک دیا۔

نمازِ عصر کے وقت حضرت شیخ ملتانی اور حضرت چراغ دہلی نے آپ کا جسدِ مبارک لحد میں اُتارا۔ پھر وہ تبرکات خرقہ، عصا، مصلّی وغیرہ جو حضرت بابا فریدؒ سے آپ کو پہنچے تھے رکھے۔ بابا صاحبؒ کا خرقہ جسدِ مبارک کے اوپر ڈالا گیا اور اُن کا مصلّی تہ کر کے تکیے کی طرح سرہانے رکھ دیا گیا۔ شیخ کی تسبیح آپ کے سینے پر رکھی گئی۔

جب حضرت ملتانی اور حضرت چراغ دہلی لحد سے باہر نکل کر آئے تو سر سے پانو تک پسینے میں شرابور ہو رہے تھے دونوں پر بہت دیر تک غشی کی سی کیفیت طاری رہی۔ شیخ ملتانی نے فرمایا کہ جب میں نے شیخ کو لحد میں اُتارا تو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت آپ کو

آغوش میں لینے کے لیے موجود تھی۔ اُس وقت میں نے انوارِ نبوّت کی ایسی چھوٹ دیکھی جس کے مشاہدے کی تاب لانا ممکن نہیں تھا۔"

یہ اُس درویش خدامست کی مقدس اور پاکیزہ زندگی ہے جس نے بوریائے فقر پر بیٹھ کر ایسی مضبوط، مستحکم اور وسیع وعریض سلطنت کی بنیاد رکھی جو زمان ومکان کی قیود سے آزاد ہے، جس کا سکّہ دلوں پر بیٹھا ہوا ہے اور دنیا کے ہزاروں سلطانوں کی سلطنت کا نام ونشان مٹ چکنے کے بعد بھی اس سلطان المشائخ کی روحانی حکومت اور جاہ وجلال کا پھریرا ہندوستان ہی میں نہیں، چار دانگ عالم میں اسی شان اور اُسی آن بان سے لہرا رہا ہے۔

افسوس دلم کہ ہیچ تدبیر نکرد
شبہائے وصال را بزنجیر نکرد
گر وصل تو یاری کند ویا نکند
بارے کہ فراق ہیچ تقصیر نکرد[1]



---

[1] ترجمہ: افسوس ہے کہ میرے دل نے کچھ تدبیر نہ کی اور وصل کی راتوں کو زنجیر سے باندھ کر نہ رکھ لیا۔ اب تیرا وصال خدا جانے نصیب ہو یا نہ ہو۔ بارے تیرے فراق نے تو کوئی کسر چھوڑی نہیں ہے۔

۵۔ حضرت اپنے معاشرے میں

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے زمانے میں سوسائٹی کا نقشہ یہ تھا کہ ایک طبقہ عوام کا تھا دوسرا خواص کا۔ جس طرح آج متوسّط طبقے کو اعلیٰ اور ادنیٰ میں تقسیم کر کے گفتگو کی جاتی ہے، یہ اس وقت ممکن نہیں تھا۔ عوام سپاہی پیشہ، نوکری پیشہ، صنعت پیشہ، تجارت پیشہ اور مزدور پیشہ تھے۔ خواص میں شاہی خاندان کے افراد، امراء، جاگیردار اور منصب دار تھے۔

سوسائٹی میں اُس وقت اُتنے تحفظات نہیں تھے جتنے ہمیں آج مل جاتے ہیں۔ قدیم کتب تاریخ اور ملفوظات کے گہرے مطالعے سے یہ اندازہ کرنا دشوار نہیں ہے کہ عام سماجی زندگی میں عدم تحفظ (SOCIAL INSECURITY) کا کیا حال تھا۔

خطرے اور خوف زندگی کا جُزبنے ہوئے تھے۔ اور یہ دونوں طرح

کے تھے، بیرونی بھی اندرونی بھی۔ تیرھویں صدی میں منگولوں کے لشکر ٹڈی دل کی طرح منڈلاتے رہتے تھے اور شہر دہلی کی فصیل تک پہنچ جاتے تھے۔

جب یہ ٹڈی دل شہر کی طرف بڑھتا ہوا آتا تو اطراف میں منادی کرادی جاتی تھی اور لوگ شہر کی چاردیواری میں آکر پناہ لیتے تھے۔ دہلی شہر کے آس پاس میلوں تک گھنے جنگل اور سرسبز باغ تھے۔ ان میں خوبصورت حظیرے تھے، حوضیں اور تالاب تھے۔ درویشوں کے تکیے تھے، لہلہاتے ہوئے کھیت اور بھرے پرُے گانو تھے۔ اس کا اندازہ صرف اسی سے ایک مثال سے ہوسکتا ہے کہ جب فیروز شاہ تغلق نے دہلی کو موجودہ دہلی گیٹ کے آس پاس بسایا تھا تو اس کے لیے اٹھارہ دیہاتوں کی زمین حاصل کی گئی تھی[1]

شہر کے باہر جنگ چھڑ جاتی اور صفیں آراستہ ہو جاتیں تو کیلوکھڑی اور غیاث پور اور خضر آباد، اندرپت، کیشو واڑہ اور سلطان پور، اندھاولی سرائے ملکہ، جہرولہ اور بہاری اور کہاں کہاں کے لوگ شہر کی طرف بھاگنے لگتے تھے۔ سامان ڈھونے کے لیے مویشیوں کا ملنا سخت دشوار ہوجاتا تھا۔

ایک بار اسی طرح کیلوکھڑی میں میدانِ جنگ آراستہ ہوگیا تو

---

[1] عفیف: ۱۰۰ فواد: ۲۴۷

• حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کو بھی غیاث پور چھوڑ کر شہر میں رہنا پڑا۔ وہاں آپ جمعہ کی نماز پڑھنے جاتے تھے تو خلق کا اتنا ازدحام ہو جاتا تھا کہ آپ کو راستہ چلنا دشوار ہوتا تھا۔[۱] ایک دن آپ ہجوم سے اکتانے لگے تو ایک شخص نے عرض کیا کہ حضرت میرے خسر حضرت بابا فریدؒ سے بیعت تھے وہ کہتے تھے کہ جب بابا صاحبؒ دہلی میں نماز جمعہ پڑھنے جاتے تو بھیڑ سے بچنے کے لیے نماز کے وقت سے بہت پہلے گھر سے نکلتے تھے پھر بھی خلق اُسی طرح ٹوٹی پڑتی تھی اور عوام کا چاروں طرف سے ایسا ہجوم ہوتا تھا کہ ایک حلقہ سا بن جاتا تھا اُسے توڑ کر نکلتے تھے تو دوسرا حلقہ بن جاتا تھا، ایک دن بابا صاحب تنگ آ گئے تو میرے خسر نے اُن سے کہا کہ: "حضرت یہ تو خدا کی نعمت ہے آپ اس سے دل تنگ کیوں ہوتے ہیں!"

غیاث پور میں نسبتہً سکون تھا اور ہوا بھی صاف تھی۔ شہر دہلی میں گلیاں تنگ تھیں اور ان میں عفونت بھی رہتی تھی۔ اسی لیے امیر حسن دہلوی خضر آباد کی چھاؤنی میں رہتے تھے اور کیلو کھڑی کی جامع مسجد میں نماز ادا کرتے تھے۔ دس بارہ دن میں ایک بار شہر کی طرف چلے جایا کرتے تھے۔[۲] حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کو بھی شہر دہلی کا ماحول ابتدا ہی سے ناپسند تھا۔ حفظانِ صحت کی کمی کے علاوہ امراء کی عیش کوشی نے

---

[۱] فواد: ۲۴۷ - [۲] فواد: ۱۹۴

فسق و فجور کو اتنا عام کر دیا تھا کہ وہاں کسی اخلاقی اقدار پر ایمان رکھنے والے کا رہنا سخت دشوار تھا۔ ابتدائے حال میں جب آپ حفظ قرآن کر رہے تھے دہلی کے حوض قتلغ خاں پر انھیں ایک درویش ملا تھا۔

آپ نے اس سے پوچھا: "کیا آپ اپنی خوشی سے اس شہر میں رہ رہے ہیں؟"

اس نے کہا: "نہیں۔ ایک زمانہ ہوا مجھے دروازۂ کمال کے قریب خندق کے پاس حظیرۂ شہیداں میں جہاں ایک اونچا سا ٹیلا بنا ہوا ہے ایک درویش ملا تھا اور اس نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر اپنا ایمان سلامت چاہتے ہو تو اس شہر سے نکل جاؤ۔ میں نے اسی وقت ارادہ کر لیا تھا کہ یہاں سے چلا جاؤں گا، آج ۲۵ سال ہو چکے ہیں ارادہ بدستور ہے مگر یہاں سے نکلنے کا موقع نہیں ملتا[1]"

عفونت اور گندگی کی وجہ سے ہی بیماریاں بھی عام تھیں۔ رشتۂ نارو کی بیماری کثرت سے ہوتی تھی اور اس کا سبب غالباً یہ تھا کہ شہر میں اصطبل بہت تھے۔

شہری انتظام اور ملکی نظم و نسق کی حالت بھی عام طور پر ناقص تھی۔ دہلی میں میوات کی طرف سے ڈاکے پڑتے تھے۔ رہزنی عام تھی[2]۔ شام کو سورج غروب ہونے کے ساتھ ہی دروازے بند کر دیے جاتے تھے

---

[1] فواد: ۲۴۱-۲۴۲ [2] فواد: ۱۰۶ [3] فواد: ۷۷-۱۲۹

اور کوئی شخص شہر سے باہر رہنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔[۱] خود حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کو اثنائے سفر میں رہزنوں سے سابقہ پڑا تھا۔[۲] ایک بار اجودھن کے سفر میں سرسی پہنچے تو معلوم ہوا کہ کل ہی بٹ ماروں نے ایک بزرگ مولانا کیتھلی کو شہید کر دیا ہے۔[۳]

طبقۂ علماء تین حصّوں میں بٹا ہوا تھا۔ ان میں ایک تو علمائے ظاہر تھے جن کا سرگروہ شیخ الاسلام کہلاتا تھا۔ اس کے عمّال شریعت کو نافذ کرنے کا کام کم اور فی سبیل اللہ فساد زیادہ کرتے تھے۔ دراصل سلطنت کو مضبوط بنانے کے لیے دین و شریعت کی تائید فراہم کرنا ان کا کام تھا۔ سماع جیسے مسائل پر محضر برپا کرنے کا مقصد بھی مشائخ کو DEMORALIZE کرنے سے زیادہ نہیں تھا تاکہ انھیں شریعت حقہ کا نمایندہ نہ سمجھا جائے اور علماء کی بالادستی قائم رہے۔

دوسرے علمائے باطن یا اہلِ تصوّف تھے۔ صوفیائے سلسلۂ سہروردیہ کا مرکز ملتان تھا اور حکومت وقت سے ان کے روابط اچھے ہوتے تھے۔ صوفیائے چشت کا مرکز اجودھن سے حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی خانقاہ میں منتقل ہو چکا تھا۔ چشتی بزرگوں نے شاہانِ وقت سے 'مثبت بے تعلقی' کا رویہ اختیار کیا تھا۔

اُن کی خانقاہ کا نظام بھی خالص عمل اور مجاہدہ اور تادیب تہذیب

---

[۱] فواد: ۱۶ [۲] فواد: ۱۱۴ [۳] فواد: ۳۱۹ - ۳۲۰

اخلاق پر مشتمل تھا۔ اسی لیے وہ "فنِ تصوّف" پر کتابیں لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے۔ تیسرا ایک گروہ واعظوں کا تھا جنھیں مذکّر کہا جاتا تھا یہ طبقہ بھی تصوّف کی چاشنی سے آشنا تھا اور اس کا کام یہ تھا کہ مسجدوں میں عوام کے سامنے بزرگوں کی حکایات اور قصّے سنایا کرتا تھا۔ تذکیر باقاعدہ ایک فن بن گیا تھا اور عموماً مذکّر یہ کرتے تھے کہ جب بھی عوام میں کیفیت کا غلبہ ہوتا اور آہ و بکا کا شور برپا ہوتا اور سننے والوں پر گریہ طاری ہوجاتا، مذکّر فوراً منبر سے نیچے اُتر آتا تھا خواہ یہ کیفیت اس کے پہلے ہی جملے سے حاصل ہوگئی ہو۔ قاضی منہاج سراج مولف طبقاتِ ناصری[۱]، حضرت نظام الدین ابوالمؤید[۲] اور امیر عالم ولوالجی[۳] کے وعظوں میں خود حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ بارہا شریک ہوئے ہیں اور قاضی حمید الدین ناگوری کے پوتے سے آپ نے فرمائش کرکے اپنی خانقاہ میں وعظ کہلوایا ہے[۴]۔

اس نقشے میں دیکھیے تو امراء اور خواص کی سرگرمیوں، سازشوں اور کرتوتوں کا مرکز دربار تھا اور عوام کا اجتماع یا مسجدوں میں ملتا تھا یا خانقاہ میں۔ اُس وقت کی خانقاہیں عوام کے بہت سے مقاصد کی تکمیل کرتی تھیں۔ دکھوں کے بوجھ سے ہانپتے ہوئے وہ ان خانقاہوں

---

[۱] فوائد الفواد: ۳۲۲ [۲] فوائد الفواد: ۳۲۳ [۳] فوائد الفواد ۹۴-۹۵

[۴] سرور الصدور (قلمی نسخہ علی گڑھ)

میں آتے اور یہاں سے سکینت وطمانینت کی وہ دولت لے کر جاتے تھے جو ان میں زندہ رہنے اور حالات کا مقابلہ کرنے کا عزم اور حوصلہ پیدا کرتی تھی۔

حضرت نے دربار سے کوئی تعلق نہیں رکھا۔ لیکن اپنے چہیتے مرید حضرت امیر خسرو کو دربار میں رہنے اور شاہی ملازمت کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ حالانکہ قاضی محی الدین کاشانیؒ سے اس بات پر ایک سال تک ناخوش رہے کہ انھوں نے اپنا خاندانی عہدۂ قضا قبول کرنے کے لیے مشورہ طلب کیا تھا۔

علاءالدین خلجی کے بیٹے شادی خاں اور خضر خاں حضرت سے بیعت تھے اور اسی سبب سے قطب الدین مبارک شاہ کو آپ سے عناد تھا۔ اس نے خود ضیاء الدین رومی سے بیعت کی اور اپنی دانست میں یہ سوچ کر حضرت شیخ رکن الدین ملتانیؒ کو دہلی بلایا تھا کہ اس طرح حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی مقبولیت میں کچھ کمی آجائے گی اور آپ کی طرف خلق کا رجوع کم ہو جائے گا۔

شیخ ضیاء الدین رومی کا انتقال ہو گیا تو حضرت فاتحہ سوم میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ کے سامنے ہی بادشاہِ وقت قطب الدین مبارک شاہ خلجی کی سواری بھی آگئی۔ آپ نے اُسے سلام کیا تو قطب الدین مبارک شاہ نے جواب نہیں دیا[1] اور آپ کی طرف

---

[1] فیروز شاہی (برنی): ۳۹۶

سے منہ پھیر لیا۔ اس وقت آپ نے حاضرین کو بلند آواز سے یہ حدیث سنائی، اس طرح کہ بادشاہ نے بھی سن لی ہوگی:

مَامِنْ صَاحِبٍ يَصْحَبُ صَاحِبَهُ وَلَوْ سَاعَةً مِّنَ اللَّيْلِ اِلَّا سَأَلَهُ اللّٰهُ مِنْ صُحْبَتِهٖ هَلْ أَدّٰى فِيْهَا حَقَّ اللّٰهِ أَمْ لَا۔[1]

"یعنی کوئی شخص تھوڑی دیر کے لیے بھی کسی کی صحبت میں بیٹھے گا تو اس کے بارے میں بھی اللہ اس سے قیامت کے دن سوال کرے گا کہ اس نے اس صحبت میں اللہ کا حق ادا کیا تھا یا نہیں۔"

اور یہ اس طرف اشارہ تھا کہ سلام قبول نہ کرنا اور اس کا جواب نہ دینا حق اللہ ہے اور قابلِ مواخذہ ہے۔

۷۲۰ھ میں قطب الدین مبارک شاہ کو اس کے ایک منہ چڑھے امیر خسرو خاں نے بہت بیدردی سے قتل کر دیا اور علما و مشائخ میں خزانے کا بہت سا روپیہ تقسیم کر کے ان کا دل جیتنے کی کوشش کی۔ حضرت نظام الدین اولیاء کے پاس بھی ایک خطیر رقم آئی تھی۔ ہمارے دور کے ایک بوالعجب مورخ سید اطہر عباس رضوی نے جن کی تصوّف سے واقفیت کا یہ عالم ہے کہ عوارف المعارف کو ایک کتابچہ کہتے ہیں اور

---

[1] ورد نظامی (اردو) ۱۶۰

شیخ حمید ناگوری کو اس کا مصنف بتاتے ہیں[1]، حضرت نظام الدین اولیاءؒ کو "گروہ منافقین" میں شمار کیا ہے۔ حالانکہ حضرت نے خسرو خاں کی بھیجی ہوئی یہ رقم اس لیے قبول کی تھی کہ وہ بیت المال کا روپیہ تھا جس پر فقراء و مساکین کا حق ہے مگر امراء اُسے اپنی عیاشی پر خرچ کر رہے تھے۔ اگر یہ رقم خود ہی کسی بہانے سے آگئی ہے تو حق داروں تک پہنچنی چاہیئے چنانچہ وہ کئی لاکھ تنکے فقراء میں بانٹ دیے گئے تھے۔

دربار سلطنت دہلی کے بیشتر امراء حضرت کے مرید یا معتقد تھے اور ان کی طرف سے نذریں بھی آتی رہتی تھیں۔ ان میں سے بعض کی سواری بڑے کرّ و فر سے آتی اور دور سے تاشے وغیرہ کی آواز سن کر اندازہ ہو جاتا تو آپ بڑی بیزاری سے فرماتے کہ "فقیر کا وقت غارت کرنے آ رہے ہیں۔" لیکن جب وہ خانقاہ میں آتے تو اُن کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک نہیں ہوتا تھا جہاں عام آدمی، مساکین، فقراء، اور دوسرے دردمند انسان ادب سے بیٹھتے وہیں یہ امراء بھی کچھ دیر کے لیے آنکھیں بند کر کے بیٹھ جاتے تھے۔

البتہ ان امراء میں سے بعض کو آپ سفارشی خطوط لکھتے رہتے تھے۔ اگر کسی سے تعارف نہ ہوتا تو اسے مخاطب نہ فرماتے تھے۔ ایک بار حضرت شیخ نجیب الدین متوکلؒ کے پوتے خواجہ عطا دوات قلم اور

---

[1] خسرو شناسی: ۳۷

کاغذ لے کر آئے اور آپ سے فرمائش کی کہ فلاں اُمیر کے نام ایک سفارشی رقعہ لکھ دیجیے تاکہ وہ مجھے کچھ دے دے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کا میری خانقاہ میں آنا جانا نہیں ہے نہ میرا اس سے ایسا تعارف ہے کہ اُسے کوئی تکلیف دے سکوں۔ تمھیں اس سے جو کچھ توقع ہو وہ بتاؤ، میں تمھیں دے دوں۔ یہ صاحب زادے لا اُبالی وضع کے تھے ان کو گمان ہوا کہ حضرت ٹال رہے ہیں اور سفارش کرنا نہیں چاہتے۔ غصّے میں بھر گئے اور یہ کہتے ہوئے اُٹھ کر جانے لگے کہ تم ہمارے دادا کے مرید اور میں تمھارا خواجہ زادہ ہوں۔ تمھیں یہ نعمت ہمارے ہی گھرانے سے ملی ہے اور اب ہمارے لیے ذرا سا رقعہ بھی نہیں لکھ سکتے۔" حضرت نے مسکرا کر ان کا دامن پکڑ لیا اور فرمانے لگے کہ ناراض ہو کر مت جاؤ۔ پہلے دل صاف کر لو۔ پھر جانا۔[لہ]

ایک بار آپ نے کسی امیر سے جو آپ کا مرید بھی تھا کسی کی سفارش کی، اُس نے کام کرنے میں ٹال مٹول کی اور پھر کسی کو بھیج کر معذرت کی۔ حضرت نے فرمایا کہ اگرچہ رنجیدہ ہونے کا سبب موجود ہے مگر میں رنجیدہ نہیں ہوں اور معاف کرتا ہوں۔ پھر سبب یہ بتایا کہ مرید ہونے کا مطلب یہ ہے کہ پیر کو اپنا حاکم بنا لیا جائے اور جو کچھ پیر کہے وہی کیا جائے۔ پھر فرمایا کہ اگر کوئی کسی سے کسی کی سفارش کرتا ہے اور وہ شخص کام

لہ خیر المجالس : ۱۰۶

نہیں کرتا تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ اس کے پاس وقت نہ ہوگا یا وہ سمجھا ہی نہ ہوگا اور تھوڑا سا اپنا قصور بھی سمجھنا چاہیے کہ شاید ہم نے ہی کچھ غلطی کی ہو۔

ظاہر ہے کہ حضرت جو سفارش کرتے ہوں گے وہ صرف حق اور انصاف ہی کے لیے ہوتی ہوگی۔ اکثر امراء تعمیل ارشاد کو اپنے لیے دین و دنیا کی سعادت جانتے تھے بعض شقی ایسے بھی تھے جنھوں نے اپنی نافرمانی پر اصرار کیا اور سزا بھگتی۔ حضرت نے ایک بار امیر خسرو کو سفارشی خط دے کر کیلو کھڑی کے کوتوال کے پاس بھیجا۔ وہ اس وقت دریا کے کنارے بیٹھا تھا، رقعہ پڑھ کر اس نے دریا میں ڈال دیا حضرت امیر خسرو نے یہ بات آکر اپنے شیخ کو بتائی تو انھوں نے فرمایا کہ اس نے رقعہ دریا میں نہیں ڈالا خود کو ڈالا ہے۔ چند روز کے بعد بادشاہ اس سے برہم ہوا اور اسے قلعے کی فصیل سے دریا میں پھنکوا دیا[1]

ہر زمانے میں ہر طبقے کے اپنے مسائل اور دشواریاں ہوتی ہیں۔ حضرت کے زمانے میں بھی طبقہ ملوک و امراء کے مسائل دوسری نوعیت کے تھے اور طبقہ عوام کی دشواریاں اور مسائل کچھ اور تھے۔ دونوں کے لیے تسلّی اور تسکین کا سامان حضرت کی خانقاہ میں موجود تھا۔ جس طرح امراض جسمانی کا طبیب ہوتا ہے اور طرح طرح کے امراض کا علاج کراتے

---

[1] احسن الاقوال (قلمی)

کے لیے لوگ اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور وہ ہر مریض کے اپنے حالات کے مطابق اس کا علاج کرنے میں جد و جہد کرتا ہے۔ اسی طرح حضرت کی خانقاہ ایک ایسا روحانی شفا خانہ تھی جس کے لیے کہا جا سکتا ہے کہ

دل شکستہ دران کوے می کنند درست
چناں کہ خود نشناسی کہ از کجا بشکست

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کو خواب میں ایک کتاب دکھائی گئی تھی جس میں لکھا ہوا تھا کہ جہاں تک ہو سکے شکستہ دلوں کی دلداری کرو۔ اور ایک موقع پر یہ خواب دیکھا تھا کہ ایک بڑی مچھلی دریا سے نکل کر آپ سے کہہ رہی ہے : وما أرسلناک الا رحمة للعالمین۔

آپ نہایت نرم دل اور خلق خدا کے ساتھ انتہائی شفقت کرنے والے تھے۔ اس لیے ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ آپ سب سے زیادہ اسی سے مانوس ہیں اور لوگ ایسے ایسے مسائل میں آپ سے امداد اور دعا کے طلب گار ہوتے تھے کہ ان معاملات میں کوئی شخص اپنے حد درجہ شفیق کو ہی راز دار بنا سکتا ہے۔

غیاث پور[1] میں ایک مولانا یمنی خطاط تھے جو اپنے فن میں بہت ماہر تھے۔ بہت سے لوگ فن خوشنویسی میں ان کے شاگرد تھے۔ یہ حضرت

---

[1] سیر الاولیا : ۴۸۱

کے مرید بھی تھے۔ ان کے پاس ایک کنیز تھی اور اس سے بہت مانوس تھے۔ ایک بار کسی سبب سے انھوں نے اس کنیز کو فروخت کر دیا مگر بعد میں پچھتائے اور اسے دس گنی قیمت پر واپس لینے کو آمادہ ہوئے مگر کنیز کے مالک نے انکار کیا۔ آخر انھیں معلوم ہوا کہ جس نے خریدا ہے وہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا مرید ہے۔ اب یہ روتے پیٹتے حضرت کی خدمت میں آئے اور اپنی بے قراری و بے اختیاری کی کیفیت کا اظہار کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ اب اس شخص کو ہماری خانقاہ میں آتا دیکھو تو تم بھی آجائیو۔ مولانا یمنی نے یہ اشارہ پاکر وہیں جماعت خانے میں بستر ڈال دیا۔ کئی دن کے بعد وہ شخص پابوسی کے لیے حضرت کی خدمت میں آیا۔ مولانا بھی فوراً پہنچ گئے۔ حضرت نے حکایت کے پردے میں فرمایا کہ ایک شخص نے اپنی کنیز کو فروخت کر دیا تھا پھر اس کے عشق میں بے قرار ہوا تو کپڑے پھاڑ کر سڑکوں پر آہ و نالہ کرتا پھرتا تھا اور کہتا تھا کہ "لوگو جو شخص اپنے دوست کو چاندی کے ٹکوں کے بدلے بیچ ڈالے اس کی یہی سزا ہوتی ہے۔" اس شخص نے یہ قصہ سن کر خود ہی کہا کہ میں حضرت کے صدقے میں وہ کنیز مولانا کو بخشتا ہوں۔

دہلی میں کسی مہم پر لشکر بھیجا جاتا تو رخصت کے وقت ہزاروں انسان امید و بیم کے عالم میں حضرت کی قدم بوسی کے لیے آتے اور آپ کے چہرۂ مبارک پر نظر پڑتے ہی انھیں ایسا سکھ اور اطمینان نصیب ہوتا تھا کہ آنے والے مبہم خطرات کی دہشت دلوں سے نکل جاتی تھی۔

مہم سر کرنے کے بعد جب یہ سارا لاؤ لشکر دہلی واپس آتا تب بھی ہزاروں آدمی حضرت کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوتے، دیر تک موضوع گفتگو فراق و اشتیاق کی باتیں ہوتیں[1]۔ جن علاقوں میں یہ لشکری رہ کر آتے تھے وہاں کے قصے اور حکایتیں ہوتیں۔ بادشاہ سے تو ہر شخص ہم کلام بھی نہیں ہو سکتا تھا اور جو لوگ اُسے حالات بتاتے تھے ان پر رعب کے سوا یہ خوف بھی غالب ہوتا تھا کہ صرف وہی باتیں بتائیں جو طبعِ ہمایونی پر گراں نہ گزریں۔ مگر حضرت کہ سراپا شفقت و رافت تھے، آپ سے ہر شخص بے تکلف باتیں کرتا اور اپنی سمجھ اور سطحِ ذہن و ادراک کے مطابق جو کچھ اس نے دیکھا یا سنا ہوتا، وہ بے کم و کاست بیان کرتا۔ اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ ملک کی عام سماجی حالت اور عوام کے دل کی دھڑکنوں سے جتنی واقفیت حضرت کو اپنی خانقاہ کے بوریے پر بیٹھ کر ہوتی تھی اتنی شہنشاہ وقت کو کوشک لعل میں عرش سلطانی پر بیٹھ کر بھی حاصل نہ ہوتی ہوگی۔

یہ لشکری دہلی کی طرف آتے تو دور دراز شہروں کے لوگ بڑی عقیدت سے کوئی تحفہ انھیں دیتے اور یہ درخواست کرتے کہ ہماری طرف سے یہ نذرانہ حضرت کی خدمت میں پیش کرنا اور دعا کی درخواست کرنا۔ امیر حسن دولت آباد سے واپس آئے تو ایک شخص نے ان کے

---

[1] فواد : ۳۰۱

ہاتھ تین جیتل حضرت کے لیے بھیجے۔ حضرت نے وہ جیتل اپنے دستِ مبارک سے اٹھا کر اپنے سامنے رکھ لیے اور پھر ایک قصہ سنایا کہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے سامنے تحائف کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ انھوں نے حاضرین سے فرمایا کہ جس کا جو دل چاہے اس میں سے لے لے تو شیخ جلال تبریزیؒ نے وہ ایک دام اٹھا لیا جو ایک بڑھیا نذر کر گئی تھی۔ اس پر شیخ سہروردی نے فرمایا کہ تم نے سب کچھ لے لیا! یہ قصہ سنانا محض تین جیتل کے اس نذرانے کی قدر افزائی کے لیے تھا۔

حضرت کی مجلس میں کوئی لمحہ پند و موعظت، فکر و عبرت اور نکتہ آفرینی سے خالی نہ ہوتا تھا۔ ذرا ذرا سے بہانے پر کوئی آیت، کوئی حدیث، کوئی قولِ مشائخ، کوئی واقعہ یا لطیفہ سناتے اور پھر اس کے رموز و دقائق بتاتے۔ ایک شخص نے خوشبودار پھولوں کا گلدستہ پیش کیا۔[1] آپ نے حدیث سنائی: حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنیاکُم ثَلٰثٌ اَلطِّیبُ وَالنِّسَاءُ وَقُرَّۃُ عَینِی فِی الصَّلٰوۃِ۔ پھر تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ النساء سے مراد حضرت عائشہؓ ہیں اور قرۃ عینی حضرت فاطمہ زہراؓ کے لیے فرمایا گیا ہے۔

خاص مواقع پر خانقاہ میں سلامی کی رسم بھی ہوتی تھی۔ ہر آنے والا کچھ نذرانہ لے کر آتا تھا۔ ایک شخص خالی ہاتھ آیا۔ جب وہ جانے لگا تو

---

[1] فوائد الفواد: ۳۸۳

آپ نے خادم سے فرمایا کہ" انھیں کچھ دے کر رخصت کر دو۔ ہمارے شیخ فرماتے تھے کہ اگر میرے پاس کوئی مسکین خالی ہاتھ آئے تو اُسے تو ضرور ہی کچھ دے کر رخصت کرنا چاہیے"[1] مطلب یہ کہ اگر کوئی شخص کچھ نہیں لایا تو وہ بہت ہی تنگ دست اور مسکین ہوگا۔ ورنہ خالی ہاتھ کبھی نہ آتا۔

حضرت نے خود یتیمی اور مسکینی کی زندگی گذاری تھی اس لیے فقراء و مساکین کے درد سے اور اُن کی نفسی کیفیت سے خوب واقف تھے۔ آپ کی والدۂ ماجدہ نے انتقال کے وقت آپ کو اللہ کے سپرد کیا تھا، آپ فرمایا کرتے تھے کہ اس سے وہ ذوق مجھے حاصل ہوا کہ اگر میری والدہ یہ فرماتیں کہ میں آسمان و زمین کے خزانے تیرے لیے چھوڑ کر جا رہی ہوں تو مجھے وہ لذت نہ ملتی۔ ایک بار آپ نے خواب میں حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی تو اُنھوں نے " السلام علیک یا ملک الفقراء و المساکین" کہہ کر آپ کو خطاب فرمایا۔ وہ آپ کی طالب علمی کا زمانہ تھا اس لیے خواب میں بھی یہ سوچنے لگے کہ نحوی اعتبار سے الفقراء و المساکین بدل مُبدل منہ ہو سکتے ہیں یا نہیں، اور بیدار ہو کر پچھتائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی پر نحوی غلطی کا یہ خطرہ بھی میرے دل میں کیوں گذرا۔[2] اجودھن میں جب

---

[1] فوائد الفواد : ۳۳۷ [2] درر نظامی : ۲۵۵

آپ حضرت بابا فریدؒ کی خانقاہ میں تھے تو بابا صاحب کے فرزند شیخ شہاب الدینؒ سے آپ کی خوب دوستی ہوگئی تھی۔ دوسری طرف بابا صاحب کی کنیز 'گلچیں' کو آپ نے منھ بولی بہن بنایا تھا۔ بعد کو اسے دو بار خواب میں بھی دیکھا تھا[۱]۔

حضرت کو اپنے زمانے میں ایسی خداداد مقبولیت حاصل تھی جو طبقۂ مشائخ میں بھی کم ہی کسی کو نصیب ہوتی ہے۔ اس کا سبب آپ کی دردمندی، وجد و شوق اور عشق کا غلبہ تھا۔ اور اس وجد و شوق کو زندگی کے نہایت بیش پا افتادہ اور معمولی مظاہر سے بھی تحریک مل جاتی تھی۔ ایک بار آپ تشریف لے جا رہے تھے کچھ لوگ چرس سے پانی کھینچتے تھے اور سب مل کر مترنم آواز میں نعرہ لگاتے تھے "باہر رے بھیا باہرے"۔ آپ کو ان الفاظ پر وجد ہوگیا۔ خواجہ اقبال اور خواجہ مبشر اور عبداللہ کوبی خادم ڈولے کے دونوں طرف یہی الفاظ لحن سے کہتے ہوئے چلتے رہے اور آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی رہی۔

آپ کو جن اشعار یا دوہوں پر وجد ہوتا تھا وہ سارے شہر میں بچے بچے کی زبان پر رواں ہو جاتے تھے اور لوگ انھیں گلیوں میں گنگناتے پھرتے تھے[۲]۔ ایسا لگتا تھا کہ سارے شہر میں عشق کا بازار گرم ہوگیا ہے۔

---

[۱] درر نظامی : ۸۰ [۲] سیر الاولیاء : ۵۱۰

ایک بار آپ اپنے حجرے میں تشریف فرما تھے۔ نیچے خانقاہ کے دروازے پر کسی دیہاتی عورت نے کچھ گانا شروع کر دیا۔ آپ کو ایسی کیفیت ہوئی کہ حجرے سے نکل کر چھت کے کنارے تک آ گئے اور اس کے بولوں سے کیفیت حاصل کرتے رہے۔ وہاں بچھونے پر ایک چادر پھیلی ہوئی تھی وہ اٹھا کر بطور انعام اس کی طرف پھینک دی۔

ہر خاندان میں ایک ایسا بزرگ اور سر دھرا ہوتا ہے جس کے سایۂ عاطفت میں انسان کو تحفظ کا احساس ملتا ہے اور جس کی دعاؤں کو وہ اپنا سائبان سمجھتا ہے۔ حصول دعا و برکت کے لیے اس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ حضرت کی مبارک زندگی کا مطالعہ کیجیے تو یہ نظر آئے گا کہ ہزاروں لاکھوں مسکین خاندانوں کے لیے آپ کی حیثیت ایک ایسے ہی بزرگ کی تھی جو اس وقت بھی انھیں خیر و برکت، دعائیں اور تحفظ فراہم کرتی تھی۔ اور آج بھی یہ فیضان جاری ہے۔

خانقاہ میں اتنی کثرت سے لوگ آتے تھے کہ آج اس کا تصور کرنا دشوار ہے لیکن آپ صورت دیکھ کر ہر شخص کو پہچان لیتے تھے۔ البتہ کوئی شخص کسی سے سلام کہلا بھیجتا تو اسے پہچاننے کے لیے متعدد سوال کرتے تھے پھر بھی کبھی پہچان نہ پاتے تھے[1]

کسی کے گھر بچہ پیدا ہوا، وہ اسے گود میں اٹھائے لا رہا ہے کہ حضرت کچھ پڑھ کر دم کر دیں۔ آپ دہن مبارک کا لعاب بچے کو چٹاتے اور

---

[1] فوائد الفواد : ۳۷۷

سر پہ ہاتھ پھیر کر دعا دیتے۔ لانے والے سے پوچھتے کہ بچے کا کیا نام رکھا ہے؟
وہ کہتا کہ خیر[1]۔ فارسی محاورے میں "خیر" انکار کے موقع پر بولتے ہیں یعنی
ابھی کوئی نام نہیں رکھا ہے۔ مخدوم کے پاس اسی لیے حاضر ہوا ہوں کہ آپ
نام تجویز فرما دیں۔ ارشاد ہوتا کہ تم نے خیر کہا تو بس "خیر" ہی اچھا نام ہے اور
پھر مشہور بزرگ خواجہ خیر نسّاج یاد آ گئے ان کی حکایات شروع کر دیں۔

دوسرے صاحب کی گود میں ۳-۴ سال کا بچّہ ہے اور تختی ساتھ لیکر
آئے ہیں۔ حضرت سے درخواست کر رہے ہیں کہ اس کی تعلیم کا آغاز آپ کے
دست مبارک ہو۔ آپ تختی لے کر اس پر لکھ رہے ہیں ربِّ یَسِّر وَلَا تُعَسِّر
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم۔ ا ب ت ث ج ح خ اور فرمانے لگے میرا
تجربہ یہ ہے کہ اگر کسی کے کام کے لیے قلم رواں چلتا ہے تو وہ کام خوب
ہوتا ہے اور جلدی ہوتا ہے اور اگر قلم اٹکتا ہے تو کام میں بھی کچھ رکاوٹ
ہو جاتی ہے[2]۔

ایک شخص نے کہا کہ رات میرے گھر ایک فرزند پیدا ہوا ہے۔ آپ
اس وقت حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کا تذکرہ کر رہے تھے۔ فرمانے
لگے اس کا نام عمر رکھو اور لقب شہاب الدین۔ پھر تاکید کے طور پر کہا کہ دیکھو
عمر نام رکھو تو کبھی اس کا نام بگاڑ کر نہ پکارنا[3]۔

امیر حسن نے اپنے کسی عزیز کے بچے کو پیش کیا اور کہا کہ یہ ڈرتا بہت
ہے اور روتا ہے۔ خدا جانے کوئی آسیب ہے یا کیا ہے۔ حضرت نے

---

[1] فوائد الفواد : ۳۳۱ [2] فوائد : ۲۹۵ [3] فوائد : ۲۸۵

اُسے نگاہ مرحمت سے دیکھا اور فرمایا کہ ان شاء اللہ ٹھیک ہو جائے گا[1] آپ کا اتنا فرما دینا بھی ہزاروں دعاؤں کی برابر تھا۔

بچّوں سے آپ کو بہت اُنس تھا۔ حضرت نے خواجہ سیّد بدرالدین اسحق کے دونوں صاحبزادوں کو اپنی اولاد کی طرح پالا تھا اور آپ کی بہن کی اولاد بھی حضرت کے سایۂ عاطفت میں پلی تھی۔ خانقاہ کے دوسرے متعلقین اور خدّام کے بچّے بھی ہوتے تھے۔ سحری کے وقت جو کھانا بچتا تھا اس کے لیے یہ فرمایا کرتے تھے کہ رکھ دو صبح کو بچّوں میں بانٹ دینا۔

ہر سطح کے عوام سے گہرے قلبی رابطے کا ثمرہ یہ تھا کہ آپ کو ایک نہایت ماہر طبیب کی طرح روحانی اور نفسیاتی بیماریوں کے اسباب علل کا ایسا بھرپور علم تھا کہ ہر شخص کے لیے اس کی ضرورت اور مزاج و مذاق کے مطابق علاج تجویز فرماتے تھے اور اُس کا نفع بھی فوراً محسوس ہوتا تھا۔

نفسی کیفیات کا صحیح علم اسی شخص کو ہو سکتا ہے جو بُرائی کو ناپسند کرتا ہو بُرے کو نہیں۔ صرف ایک مثال سے حضرت کی نگاہ کی تہ رسی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ آپ نے اپنی مجلسوں میں بار بار عفو و درگذر، تحمل اور بردباری کی تلقین کی ہے لیکن ایک بار فرمایا کہ جس کی طبیعت لطیف ہوگی۔ اُس میں تحمّل کم ہوگا[2] دوسرے موقع پر فرمایا کہ شہوت اور غصّہ غیر محل پر حرام ہیں[3]

حضرت کی تعلیمات اپنے عہد کی تمام اخلاقی اور سماجی خرابیوں کی اصلاح

---

[1] فوائد الفواد : ۴۳۳ [2] ایضاً : ۲۰۶ [3] ایضاً : ۲۳۷

کے لیے تھیں اور ان کے کارگر ہونے کی شہادت ہمیں ملفوظات کے علاوہ برنی کی فیروز شاہی سے بھی مل جاتی ہے[۱] خود آپ نے بھی اس کا نفع دیکھتے ہوئے بیعت کا دروازہ ہر شخص کے لیے کھول دیا تھا اور جو شخص بھی مُرید ہونے کی نیت سے آتا تھا اسے آپ قبول فرما لیتے تھے کیونکہ مرید ہونے سے اس کی کچھ نہ کچھ اصلاح ہو ہی جاتی تھی۔

خواص اور امراء کے حالات و مزاج کی رعایت سے آپ اُن کے لیے یہ تجویز فرماتے تھے کہ لقمۂ حلال کا اہتمام کریں۔ اسراف ترکی امراء کا خاصہ تھا مگر آپ نے فرمایا کہ اللہ کی راہ میں دونوں جہاں بھی لُٹا دیں تو اسراف نہیں ہے اور نفسانیت کے لیے ایک دھیلا بھی خرچ کریں تو فضول خرچی ہے۔ عبادت کے لیے فرمایا کہ دو طرح کی ہوتی ہے۔ لازم اور متعدی۔ لازم کا نفع کرنے والے کو ہوتا ہے اور متعدی کا فائدہ دوسروں کو پہنچتا ہے۔ لازم عبادت کے لیے اخلاص ضروری ہے (جو ظاہر ہے کہ طبقہ امراء میں شاذ ہی ہو سکتا ہے) لیکن متعدی عبادت بغیر اخلاص کے بھی اچھی ہے[۲] انھیں خیرات و صدقات کے آداب بتاتے ہوئے فرمایا کہ خیرات کرنے میں پانچ شرطیں ہیں۔ دو دینے سے پہلے، دو دیتے وقت اور ایک دینے کے بعد۔ دینے

---

[۱] ضیاء الدین برنی: تاریخ فیروز شاہی (کلکتہ ۱۸۶۲ء): ۳۴۳ - ۳۴۸

[۲] فوائد الفواد: ۲۱

سے پہلے یہ کہ جو کچھ خیرات کرے وہ مالِ حلال ہو، دوسرے مردِ صالح کو دے۔ اور دیتے وقت یہ شرط ہے کہ تواضع اور خوشدلی کے ساتھ دے، دوسرے اُسے چھپا کر دے۔ اور دینے کے بعد کی شرط یہ ہے کہ اس کا ذکر کبھی زبان پر نہ لائے[1]

جمع و خرچ دنیا کے بارے میں فرمایا کہ حلال کا حساب ہوگا اور حرام پر عذاب[2] جو لوگ دولت جمع کرنے میں لگے رہتے ہیں، ان کے بارے میں فرمایا: زر و سیم کے خرچ کرنے میں راحت ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ اگر کوئی اچھا کھانا اور اچھا پہننا چاہے تو جب تک روپیہ خرچ نہ کرے گا اُسے یہ راحت نصیب نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ زر و سیم میں اگر کوئی راحت ہے تو اس کے آنے سے نہیں ہے جانے سے ہے[3] زر و سیم کا مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ اس سے دوسروں کو نفع پہنچے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو محض جمع کرنے کے لیے پتھر اور سونا برابر ہیں۔

طبقۂ عوام کے لیے آپ کی تعلیمات میں صبر و رضا اور ثبات و استقامت پر زور ہے، ظاہر ہے کہ نامساعد حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے اس سے زیادہ مؤثر کوئی ہتھیار نہیں ہو سکتا۔

دوسری ضرورت رواداری اور PEACEFUL CO-EXISTENCE

---

[1] فوائد الفواد : ۶۰ [2] ایضاً : ۶۶ [3] ایضاً : ۸۲

کی ہے۔ اسے مختصر الفاظ میں یوں بیان فرمایا کہ "اگر کوئی اپنی ملکیت میں تصرف کرے تو یہ ظلم نہیں کہلاتا۔ دوسروں کی ملک پر تصرف کرے تو اسے ظلم کہتے ہیں[۱]۔"

عام لوگوں سے یہ بھی فرماتے کہ خلق سے معاملہ عدل پر مبنی ہونا چاہیے حسنِ خُلق اور عدل کی کسوٹی یہ ہے کہ جو اپنے لیے پسند نہیں کرتے اُسے دوسروں کے لیے بھی ناپسند کرو۔ اور فرمایا کہ ایک حسنِ خَلق ہے دوسرے حسنِ خُلق۔ حسنِ خَلق کا اندازہ آنکھ ناک اور رخساروں کی خوبصورتی اور تناسب سے ہوجاتا ہے اور حسنِ خُلق چار چیزوں پر منحصر ہے۔ قوت عملیہ قوت عصبیہ قوت علمیہ اور قوت شہوانیہ ــــ ان چاروں قوتوں کے استعمال میں اگر اعتدال ہے تو حسنِ خُلق حاصل ہے[۲]۔

خود حضرت کے حسنِ خلق کا اندازہ کرنا ہو تو بڑی بڑی مثالوں سے نہیں چھوٹی چھوٹی باتوں سے خوب ہوگا۔ ایک شخص اندرپت میں چھجّو نامی تھا۔ وہ حضرت کا مخالف تھا اور بدگوئی کیا کرتا تھا۔ آپ کو اس کے انتقال کی خبر ملی تو جنازے میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے اور دفن کے بعد اس کی قبر پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ "یا اللہ میں نے اس کو معاف کر دیا ہے تو بھی اس سے درگذر کیجیو اور میرے سبب سے اس پر عذاب نہ کیجیو[۳]۔"

---

[۱] فوائد الفواد : ۱۹۰ [۲] درر نظامی : ۱۸۹

[۳] ایضاً : ۱۹۸

جو لوگ حضرت کی خانقاہ میں رہتے تھے ان کی معمولی سے معمولی حرکات و سکنات پر حضرت کی نگاہ رہتی تھی اور نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ ٹوکتے تھے۔ حکایتوں اور قصوں کے پردے میں اصلاح کرتے تھے۔ پھر بھی اگر کوئی نہیں سمجھتا تھا تو اس پر عتاب بھی فرماتے تھے۔

حضرت کی یہ مقبولیت، یہ استقامت، یہ دل سوزی، بنی نوع انسان سے اس سچی اور گہری ہمدردی کی بنیاد وہ تھی جسے بابا صاحب نے پہلی ہی نظر میں پرکھ کر فرمایا تھا کہ خدا نے تمھیں علم اور عقل اور عشق تینوں جوہر عطا فرمائے ہیں اور جس میں یہ تینوں جوہر جمع ہو جائیں اس سے مشائخ کی خلافت خوب ہوتی ہے۔

خود حضرت نے ایک موقع پر فرمایا کہ روحانی انوار کے دس درجے ہیں۔ نور روح، نور عقل، نور معرفۃ، نور علم، نور یقین، نور توفیق، نور بصر، نور حیا، نور محبت اور نور عشق ___ اور عشق محبت کے تمام مدارج میں آخری درجہ ہے[1] عشق کے لیے فرمایا کہ یہ عشقہ سے نکلا ہے۔ یہ وہ بیل ہے جو درختوں کو لپٹ جاتی ہے اور پھر انھیں پنپنے نہیں دیتی خود پنپتی رہتی ہے۔ اسی طرح جسے عشق کا روگ لگا اس کا سارا وجود خاکستر ہو کر رہ جاتا ہے[2]

حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ اگر کسی جماعت میں ایک شخص صاحب درد

---

[1] سیر الاولیاء: ۴۶۶ [2] درر نظامی: ۷۳

اور صاحب نعمتؒ ہو تو باقی سب اس کی پناہ میں رہتے ہیں۔[1]

بابا صاحب نے حضرت نظام الدین اولیاءؒ کو مرید کرنے کے بعد جو حاضرین سے فرمایا تھا کہ "آج میں نے ایک ایسا درخت لگایا ہے جس کی چھایا میں بہت سی خلقِ خدا آرام پائے گی۔"

ان الفاظ کی معنویت آج بھی ہم سب کو اپنی آنکھوں سے نظر آرہی ہے۔

---

[1] فوائد الفواد : ۱۶۵

اشاریہ

الف : اشخاص

ایبو ۴۸ - ۴۹ - ۷۵
ابوبکر (خواجہ) ۷۱
اخی سراج ۲۵-۸۱
اسحق (بدرالدین مولانا) ۲۱-۶۱-۸۲-۱۰۹
اقبال (خواجہ) ۳۲-۳۴-۳۵-۳۹-۴۰-
۴۸-۴۹-۶۱-۶۸-۶۹-۷۵-
۸۵-۱۰۶
اقبال (ڈاکٹر) ۷۳
امیر حسن علا سجزی دہلوی ۲۹-۳۹-۶۳-
۷۲-۹۲-۱۰۳-۱۰۸
امیر خورد کرمانی ۶۹
بابا فریدؒ حضرت (شیخ الاسلام بابا فرید الدین مسعود گنج شکر) ۱۶-۱۸-۱۹-۲۰-۲۱-۲۳-
۴۱-۴۵-۴۸-۵۰-۵۳-۶۱-
۶۴-۶۷-۷۷-۸۲-۸۸-۹۲-
۱۰۶-۱۱۳-۱۱۴
باخرزی (شیخ سیف الدین) ۸۳
بدرالدین (مولانا) ۷۰
برنی (ضیاءالدین) ۱۱۰
بلبن ۲۴
بہاءالدین زکریا ملتانی (شیخ) ۲۰-۲۶-۲۹-
۷۸
پائلی (وجیہ الدین) ۶۳-۶۴
تاج الدین یار (مولانا) ۶۳
تغلق (غیاث الدین) ۵۱
جبریل ۵۸
جلال (تبریزی شیخ) ۱۰۴
جمال الدین (مولانا) ۳۸
جوالقی ۵۲
چھجو ۱۱۲
چھجو (میر) ۶۳
حجۃ الدین (مولانا) ۳۰-۷۰
حسام الدین (حاجی) ۳۸-۴۳-۷۰
حسن نظامی (خواجہ) ۸-۱۲-۱۳-۱۴-
۱۷-۵۱
حسین کرمانی (سید) ۸۰-۸۱-۸۲-۸۵

حمید الدین (سوالی ناگوری خواجہ) ۷۴-۹۵-
۹۸
حمید الدین ناگوری (قاضی) ۴۷
حمید قلندر ۷۰
حیدری ۵۲
خاموش (سید) ۷۰
خسرو (امیر) ۲۴-۳۲-۶۳-۶۸-۶۹-
۸۰-۸۱-۹۶-۱۰۰
خسرو خاں ۸۷-۹۷-۹۸
خضر خاں ۹۶
خلجی (علاء الدین) ۹۶
خلجی (قطب الدین مبارک) ۸۷-۹۶-۹۷
خواجہ حسن نظامی میموریل سوسائٹی ۸-۱۰-۱۱-
۱۲
خیر نساج (خواجہ) ۱۰۸
دامغانی (شمس الدین) ۸۶
رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ۶۶-۷۹-
۸۸-۱۰۵
رضوی (اطہر عباس) ۹۷
رکن الدین ملتانی (شیخ) ۳۷-۷۸-۷۹-
۸۷-۸۸-۹۶
رومی (ضیاء الدین) ۹۶
زرادی (فخر الدین) ۶۳-۸۰-۸۱
زین العابدین رض (حضرت) ۳۲
سلطان احمد چشتی رح (حضرت شاہ) ۱۱-۱۵
شادی (غلام) ۸۴
شادی خاں ۹۶
شہاب الدین (امام) ۳۴
شہاب الدین (فرزند بابا صاحب) ۱۰۶
شہاب الدین عمر سہروردی شیخ ۱۰۴-۱۰۸
ضیاء الدین وکیل ۲۴
ظہیر الدین حافظ ۳۰
عائشہ رض (حضرت) ۱۰۴
عبد الحق (محدث دہلوی) ۲۲
عبد الحمید (حکیم) ۸
عبد الرحیم (خواجہ) ۵۲-۵۳-۶۳
عبد اللہ کوہی ۱۰۶
عبد الہادی رح (حضرت شاہ) ۱۱-۱۵
عز الدین علی شاہ ۶۳
عزیز الدین (خواجہ) ۷۳
عزیز الدین صوفی (خواجہ) ۲۳-۶۳-۶۴
عطا (خواجہ) ۹۸
علی بن محمود جاندار ۲۲-۸۳-۸۴
عفیف (شمس سراج) ۹۱
غریب رح (برہان الدین) ۱۸-۱۹-۲۵-۳۳-
۳۶-۴۶-۵۰

فاروقی (نثار احمد) ۷-۹-۱۰-۱۱-۱۶
فاطمہ بی بی (دختر حضرت بابا فریدؒ) ۶۱
فاطمہ زہراؓ (حضرت) ۱۰۴
فرزدق ۳۲
فرید الدین شیخ دیکھو بابا فرید
فرید الدین ناگوری (شیخ) ۷۴
فیروز شاہ تغلق ۹۱
قطب الدین بختیار کاکیؒ (قطب صاحب)
۴۶-۴۷-۴۸-۵۰
قطب الدین حسین کرمانی ۷۲
کرمانی (سید محمد) ۶۳-۷۰
کمال الدین (شیخ) ۳۶
کیتھلی (مولانا) ۹۴
کیقباد معز الدین ۲۴
گلچیں ۱۰۶
گنج شکرؒ دیکھو بابا فرید
گیسو دراز بندہ نوازؒ ۱۷، ۴۹، ۷۸
لکھال ۵۰-۵۱
لکھمال ۵۰-۵۱
ماہرو (شمس الدین) ۶۳
مبارک (اخی) ۶۱-۸۴
مبشرؒ (خواجہ) ۶۱-۷۵-۱۰۶
محبوب الٰہیؒ دیکھو نظام الدینؒ
محمد امام (خواجہ سید) ۵۳-۵۴-۶۳-
۶۴
محمد بن احمد بن علی البداؤنی البخاری ۸۲
محمد بن تغلق ۸۸
محمد حبیب (پروفیسر) ۷۷
محمد موسیٰ (خواجہ سید) ۶۳-۶۴-۷۲
محی الدین کاشانی (قاضی) ۳۰-۳۱-۷۰-
۹۶
ملک یار پراں (نور الدین) ۷۲
منہاج سراج (قاضی) ۹۵
نجیب الدین ابراہیم ۷۴
نجیب الدین متوکلؒ (شیخ) ۴۸-۹۸
نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ ۲۱-۲۵-۲۶-
۴۱-۴۲-۸۰-۸۳-۸۸
نظام الدین (ابو المؤید) ۹۵
نظام الدینؒ (حضرت) ۷-۹-۱۰-۱۲-۱۵-
۱۶-۱۷-۱۹-۲۲-۲۴-۲۵-۲۶-
۳۱-۳۵-۳۷-۳۸-۴۱-۴۵-۴۸-
۵۰-۵۱-۵۲-۵۳-۶۴-۷۰-
۷۳-۷۸-۷۹-۸۷-۹۰-۹۲-
۹۴-۹۵-۹۶-۹۷-۹۸-۱۰۱-
۱۰۲-۱۱۴
نظام الدین (کوتوال) ۴۴

نظامی (حسن ثانی) ۱۲-۱۵-۱۶
نظامی (فیاض الدین) ۱۰-۱۱
نظامی گنجوی ۷۰
نیلی علاء الدین (مولانا) ۷۰-۸۲
وحید (مولانا) ۵۰-۵۱
ولوالجی (امیر عالم) ۹۵
یحییٰ شمس الدین (مولانا) ۸۲
یمنی خطاط (مولانا) ۱۰۱-۱۰۲

ب: مقامات

اجودھن ۵۵-۹۴-۱۰۵-۱۱۰
اجودھیا ۲۵
اندرپت ۹۱-۱۱۲
اندھاولی ۹۱
انسیہ (حظیرہ) ۵۰
اودھ ۸۳
باغ جسرتھ ۱۹
بدایوں ۷۱
بنگال ۱۹
بہاری ۹۱
بھوپال ۱۳
پل قتلغ ۵۰
جامع التتمش ۷۱
جمنا ۲۴-۲۶-۳۴-۷۰-۷۶
جھمرتلی ۱۹
چشت ۷۹-۹۴
حوض خاص ۱۹
حوض قتلغ خاں ۹۳
خضر آباد ۹۱-۹۲
خلد آباد ۲۵
درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ ۱۲-۱۳
دروازۂ کمال ۹۳
دولت آباد ۱۰۳
دھار ۳۶
دہلی ۷-۱۲-۱۴-۱۶-۱۹-۲۳-۴۶-۶۶-۶۷-۶۹-۷۴-۷۵-۷۷-۸۷-۹۱-۹۲-۹۳-۹۶-۹۸-۱۰۲-۱۰۳
دہلی گیٹ ۹۱
دہلی یونیورسٹی ۹-۱۶
رنگ روڈ ۲۴
سالار جنگ میوزیم ۳۳
سدرۃ المنتہیٰ ۵۸
سرائے ملکہ ۹۱
سرسادہ ۶۶-۶۷

سرسی ۹۴
سلطان پور ۹۱
صفہ ستون ۳۴
علی گڑھ ۷۴-۷۵-۸۷-۹۵
غیاث پور ۱۹-۲۳-۴۷-۵۹-۷۵-۷۶-۸۸-۹۱-۹۲-۱۰۱
فیض آباد ۲۵
کلکتہ ۱۱۰
کوشک لعل ۱۰۳
کیرالا ۷۷
کیشو واڑہ ۹۱
کیلوکھڑی ۲۳-۷۰-۷۱-۷۷-۸۷-۸۸-۹۱-۹۲-۱۰۰
لکھنوتی ۱۸-۲۹
مالوہ ۳۶
مقبرہ ہمایوں ۲۳
ملتان ۲۶-۸۷-۹۴
منڈہ ۳۰
موتی محل ۱۴
مہرولہ ۹۱
میوات ۹۳
ناگور ۵۹
ندوۃ العلماء (لکھنؤ) ۳۳
ہندستان ۷۷

ج : کتابیں

احسن الاقوال (قلمی) ۱۸-۱۹-۴۶-۱۰۰
احسن القصص (قلمی) ۲۰
اخبار الاخیار ۲۲
اقتباس الانوار ۳۰
الم نشرح (سورہ) ۶۲
تاریخ فیروز شاہی (برنی) ۹۶-۱۱۰
تحفۃ الابرار و کرامۃ الاخیار ۶۴
تصریف عثمانی ۸۱
جمعہ (سورۂ) ۵۵
جوامع الکلم (قلمی) ۱۷-۳۶-۴۹-۵۱-۷۶-۸۰
خسرو شناسی ۹۸
خلاصۃ اللطائف ۲۲
خمسہ نظامی ۷۰
خیر المجالس ۲۵-۲۷-۶۸-۷۰-۷۴-۹۹
درر نظامی ۲۰-۲۱-۳۸-۸۴-۹۷-۱۰۵-۱۰۶-۱۱۲-۱۱۳
سرور الصدور (قلمی) ۷۴-۸۷-۹۵
سیر الاولیا ۱۹-۲۰-۲۲-۲۳-۲۷-۳۰-

۳۲-۳۴-۴۶-۴۷-۵۳-۵۷-
۶۲-۶۴-۶۵-۶۸-۶۹-۷۰-
۷۲-۷۶-۷۷-۷۸-۸۴-۸۶-
۱۰۱-۱۰۶-۱۱۳

شمائل الاتقیا (قلمی) ۳۳

طبقات ناصری ۹۵

عوارف المعارف ۹۷

فوائدالفواد ۳۸-۳۹-۵۵-۷۲-۹۱-
۹۲-۹۳-۹۴-۹۵-۱۰۳-
۱۰۴-۱۰۵-۱۰۷-۱۰۸-۱۰۹-
۱۱۰-۱۱۱-۱۱۲-۱۱۴

قرآن شریف ۱۹-۳۱-۴۶-۵۴

کشکول کلیمی ۲۱

لطائف اشرفی ۱۸

مجالس حسنہ ۱۸-۲۰

مسالک الابصار ۸۸

مکتوبات شیخ فریدالدین ناگوری (قلمی) ۷۵

ملفوظ المخدوم ۳۷

نفائس الانفاس (قلمی) ۳۳
